بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۲ | ماہ مئی ۲۰۱۴ء مطابق رجب المرجب ۱۴۳۵ھ | شمارہ نمبر ۵

مدیر : خلیل الرحمان سجاد نعمانی

E-mail : ilm.zikr@yahoo.com

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	نگاہ اولیں	مولانا یحییٰ نعمانی	۳
۲	محفل قرآن	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	۱۵
۳	محفل قرآن جلد سوم کا مقدمہ	مولانا محمد برہان الدین سنبھلی	۲۳
۴	بچوں کی پرورش	حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی	۲۷
۵	ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ایک نئے قالب میں	خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی	۴۱
۶	حضرت مولانا محمد زبیر الحسن کاندھلوی	مولانا محمد عمرین رحمانی	۴۷

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ V.P. ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپے زائد خرچ ہوں گے — منیجر

ضروری اعلان

مختلف مقامات میں ماہنامہ الفرقان کی توسیع اشاعت کے واسطے حضرات کے نام اور فون نمبر نیچے لکھے جا رہے ہیں ان مقامات نیز قرب وجوار کے حضرات اُن سے رابطہ قائم کریں۔

فون نمبر	نام	مقام
+91-9898610513	مفتی محمد سلمان صاحب	۱۔ بڑودہ (گجرات)
+91-9226876589	مفتی حسنین محفوظ صاحب	۲۔ مالیگاؤں (مہاراشٹرا)
+91-9880482120	مولانا تنویر صاحب	۳۔ بیلگام (کرناٹک)
+91-9960070028 +91-9326401086 +91-9325052414-9764441005	قاسمی بک ڈپو طٰہٰ بک ڈپو الطاف بک ڈپو	۴۔ بیڑ (مہاراشٹرا)
+91-9451846364	مکتبہ کاسر	۵۔ گورکھپور (اترپردیش)
+91-9225715159	محمد اظہر	۶۔ جالنا (مہاراشٹرا)

مرتب: یحییٰ نعمانی

ناظم شعبۂ رابطۂ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ زرتعاون، برائے ہندوستان: (سادہ ڈاک) عمومی -/Rs.200

☆ سالانہ زرتعاون برائے ہندوستان: (بذریعہ وی پی [1]) عمومی -/Rs.230

[1] اس صورت میں پہلے سے زرتعاون بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ رسالہ وصول کرتے وقت ڈاکیہ کو مطلوبہ رقم ادا کرنی ہوتی ہے، مگر خیال رہے کہ وی پی نہ وصول ہوئی تو ادارہ کو -/Rs.40 کا نقصان ہوتا ہے

☆ سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک (بذریعہ ہوائی جہاز) -/20 پاؤنڈ۔ -/40 ڈالر

لائف ممبرشپ: ہندوستان: سادہ ڈاک -/Rs.8000۔

بیرونی ممالک: -/600 پاؤنڈ۔ -/1200 ڈالر۔

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ :
Mr. RAZIUR RAHMAN
90-B HANLEY ROAD. LONDON N4 3DW U.K
Fax & Phone:020 72721352. Email:furqanpublications@googlemail.com

ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ الفرقان
۳۱/۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ
پن-۲۲۶۰۱۸- یوپی، انڈیا- فون نمبر: Ph:0522-4079758

MonthlyALFURQAN
114/31, NAZIRABAD LUCKNOW
Pin-226018- U.P INDIA

e-mail : monthlyalfurqanlko@gmail.com

دفتر کے اوقات صبح ۱۰ بجے سے ۱ بجکر ۳۰ منٹ　　بعد ظہر: ۲ بجے سے ۵ بجکر ۳۰ منٹ تک
اتوار کو آفس بند رہتا ہے۔۔۔۔۔

خلیل الرحمن سجاد کے لیے پرنٹر پبلشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسیٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

نگاہ اولیں

مولانا یحییٰ نعمانی

خواص امت کی خدمت میں ایک خادمانہ عرض داشت

[ذیل کی سطروں میں عزیز مکرم مولانا یحییٰ نعمانی کا جو مضمون آپ ملاحظہ فرمائیں گے وہ مارچ کے مہینے میں دفتر کو ایسے وقت میں ملا تھا کہ اپریل کا شمارہ تیار ہو چکا تھا... اِس میں بڑے ہی دردمندانہ انداز سے امت کے خواص اور زعماء کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہماری موجودہ ذلت کی اصل وجہ ہمارا اخلاقی دیوالیہ پن ہے.... اس امید پر کہ اس کے مخاطب حضرات خصوصی توجہ سے ملاحظہ فرمالیں اور ''شائد کہ ترے دل میں اتر جائے میری بات'' اس مضمون کے آخری پیراگراف کو یہاں اس تمہیدی نوٹ میں نقل کیا جارہا ہے ——

''یہ آپ کے ایک بھائی کی خادمانہ عرض داشت ہے۔ ایک مدت سے اس کے دل میں آپ سے کچھ عرض کرنے کی تمنا تھی۔ انتظار تھا کہ یہ کام کسی مؤقر بزرگ کی طرف سے انجام پائے، مگر پھر خیال ہوا کہ شائد جو پہلو اس عاجز کے ذہن میں ہیں شائد دوسروں کے ذہن میں نہ آسکیں۔ اللہ کے واسطے سنجیدگی سے مسئلے پر غور فرمائیں۔ اگر اپنے کسی موقف میں تبدیلی کی ضرورت محسوس فرمائیں تو آخرت میں اللہ کے عظیم اجر اور دنیا میں اس کی غیبی مدد و نصرت کی توقع کے ساتھ اس تبدیلی کو کر گزریں۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔''

—— مدیر]

مسلمانوں کی گذشتہ دو صدیوں کی تاریخ ذلتوں نکبتوں اور المناک مظالم سے بھری ہوئی ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے حصے میں بھی اس خوں چکاں تاریخ کے زخم آئے ہیں۔ بے چارگی کا حال یہ ہے کہ بقول شاعر گویا ان کی قسمت ہی یہ ہو کہ:

جگر پر زخم لیں گے زخم پر مرہم نہیں لیں گے

ایک زخم پر مرہم نہیں رکھا جاتا کہ دوسرا لگا دیا جاتا ہے۔ان کی کمزوری اور ذلت و بے چارگی روز افزوں ہے، وہ صرف دوسروں کے رحم و کرم پر ہیں ،اور کوئی راہ حالات کے بہتر ہونے کی نظر نہیں آتی ۔مسلمان اپنی مظلومیت پر ماتم کرتے ہیں ۔اس سے فارغ ہوتے ہیں تو احتجاج کر لیتے ہیں ۔دیوانے چیخ لیتے ہیں ، فرزانے فلسفیانہ غور وفکر میں مشغول ہوکر دل بہلا لیتے ہیں ۔اس سے مایوس ہوتے ہیں تو قیادت نہ ہونے کا شکوہ کر لیتے ہیں یا دشمنوں پر تبرّا پڑھ لیتے ہیں ۔مگر حق یہ ہے کہ حالات بدلنے کی کسی کو کوئی راست تدبیر سمجھ میں نہیں آتی ۔

کوششیں سب دم توڑ گئیں ،اور امیدوں نے اندھیروں کی چادر اوڑھ لی ،اس محیط مایوسی اور ہمہ جہت ناکامی کا اصل سبب صرف ایک ہے ۔اور وہ ہے ہماری ناقابل بیان حد تک شدید پست اخلاقی حالت ۔ ایسی ابتر اخلاقی حالت جو بڑی سے بڑی قوم کو کسی کام کا نہیں چھوڑتی ،جس نے ہر کام بگاڑ دیا ہے اور ہر کوشش ناکام کر دی ہے۔

حالات کے بھنور میں پھنسی کسی قوم کی کشتی کو کنارے لگانا اس طبقہ کا کام ہوتا ہے جو عقل وخرد اور سماجی مرتبہ میں ''خواص'' کے درجہ کا ہوتا ہے۔آپ جانتے ہیں یہی طبقہ قیادت کی تشکیل کرتا ہے۔اگر کسی قوم کے پاس ذہانت وفراست ،ہمت وحوصلہ ،ایثار و بے لوثی ،حقیقت پسندی اور غیرت مندی کی صفات سے متصف خواص کی ایک جماعت ہوتی ہے تو وہ پوری قوم میں عزم ،جوش عمل ،صبر و برداشت ،حالات کی تبدیلی کے لئے قربانیوں کا مزاج اور ظلم سے نبرد آزمائی کا حوصلہ پیدا کر دیتی ہے۔اور ایک وقت آتا ہے وہ کمزور قوم گوہر کردار سے مزین اور قوت عزم سے مسلح ہوکر حالات کے گرداب سے ابھر آتی ہے۔اور پھر اس کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوتا ہے ،جس میں وہ ثابت کر دیتی ہے کہ انصاف اور طاقت کے سلسلہ میں قلت وکثرت بے معنی اور غیر مؤثر باتیں ہیں ۔مگر جب طبقۂ خواص میں کردار کی بنیادوں میں پانی مرنے لگتا ہے اور اخلاق کے شجرِ پُر بہار کی جڑیں دیمک زدہ ہوجاتی ہیں تو اس قوم کو حالات کی ستم ظریفیوں سے کوئی نہیں بچا سکتا۔قرآن نے بھی یہی قاعدہ بیان کیا ہے اور قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ بھی اسی اصول کی تفسیر ہے۔

اب ذرا غور کیجئے ! ہماری قوم میں آپ جن افراد اور گروہوں کو اس ''خواص'' کے طبقہ میں شامل کر سکتے ہیں ذرا ان کی اپنے ذہن میں نشان دہی کر لیجیے۔آپ کے ذہن میں جو تصویریں اور کردار ابھریں ان

کو پہچان لیجیے، سوچ لیجیے یہ کون لوگ ہیں؟۔اور خدا کے واسطے یہ حقیر خادم التجا کرتا ہے کہ اگر آپ کو اس میں کہیں اپنی ذات بھی نظر آئے تو اس کو بھی نظر انداز نہ فرمایئے۔ان میں ہماری قوم کے تمام اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات آتے ہیں، ان میں علماء بھی آئیں گے، بڑے تاجر بھی آئیں گے، قومی تنظیموں کے لوگ بھی شامل ہوں گے اور ملی اور قومی اداروں کے ذمے دار بھی۔میڈیا اور صحافت سے وابستہ حضرات اور سیاسی میدان میں مختلف سطحوں پر سرگرم افراد اور وہ تمام لوگ اس دائرہ میں آتے ہیں جو مسلمانوں کی اجتماعیت میں کسی بھی نمائندگی یا قیادت کی پوزیشن میں سمجھے جاتے ہیں۔یہ سب لوگ مسلمانوں کے خواص ہیں اور ملت کے اچھے برے کی ذمے داری ان پر ہے۔

ذرا سوچیں اور ذرا حقیقت پسندی بلکہ بے باکی کے ساتھ سوچیں! ہمارے اس سربرآوردہ طبقے کا اخلاقی کردار کس سطح کا ہے؟ اس میں کس قدر خلوص، بے لوثی اور ایثار کی صفت ہے؟ اپنی مظلوم فریادی قوم کے لئے ان کی دردمندی کا کیا حال ہے؟ کیا یہ خودداری، غیرت مندی اور بے نیازی کی شان رکھتے ہیں؟ ان میں کتنی بلند حوصلگی اور عالی ہمتی ہے؟ کیا سیم وزر ان کے پائے استغنا کے بوسے لیتے نظر آتے ہیں؟ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر کیا شہرت اور منصب ان کی اصول پسندی اور رفعتِ کردار کو متأثر کرنے میں ناکام رہتے ہیں؟ اور قومی مصلحت ان کے ذاتی مفادات اور امنگوں کی قربانی مانگے تو یہ اس امتحان میں کتنے کامیاب ہو سکتے ہیں؟ خواص کی اخلاقی حالت جاننے کی کسوٹی اس قسم کے سوالات ہیں۔

یقیناً آپ کے ذہن میں ان سوالوں کے جو جواب آئے ہوں گے وہ مایوس کن ہوں گے۔

اگر آپ اپنی قوم کو مظلوم اور کمزور جانتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ دنیا کی طاقتیں اس کے خلاف سازشوں اور ستم رانیوں میں مصروف ہیں تو یقیناً آپ کو اس کا بھی یقین ہوگا کہ ان مصائب سے ابھرنے کے لئے اس کو سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے وہ اتحاد اور باہمی تعاون و مدد کا مزاج ہے۔مگر جان لیجیے کہ ہمارا جو اخلاقی حال ہے اس سے سب سے پہلے قوم کا اتحاد پارہ پارہ ہوتا ہے، اس لئے کہ اتحاد کی پہلی شرط ایمان دارانہ حق شناسی، دوسروں کی برتری کا شریفانہ اعتراف اور ایثار جیسی صفات ہیں۔اگر خواص میں حق شناسی نہ ہو، ایمانداری کے ساتھ دوسروں کے مرتبے اور فوقیت کا اعتراف نہ ہو، اور کم از کم درجے کا بھی ایثار نہ ہو، اور ان صفات کی جگہ عالم یہ ہو کہ ہر شخص اپنی ذات کا اسیر اور خود کی عبادت میں مصروف ہو تو یقیناً نفسی نفسی کا عالم ہی نظر آئے گا۔آج جو انتشار مسلمانوں کی جان کا دشمن بنا ہوا ہے وہ اخلاق کی اسی بیماری

کی دَین ہے۔

اتحاد کے بعد دوسری چیز جو خواص کی اخلاقی پستی سے ریزہ ریزہ ہوتی ہے وہ ہے قوم کا اپنی قیادت پر اعتماد۔ قیادت پر سے اعتماد اٹھنے کے بعد عوام مایوس اور بے عزم ہو جاتے ہیں اور کسی جدو جہد اور تحریک میں سرگرم نہیں ہوتے۔ جب ان کو کسی قربانی کے لئے پکارا جاتا ہے تو وہ دعوت صدا بصحرا ثابت ہوتی ہے۔ وہ کوئی رہنمائی قبول نہیں کرتے۔ ان کے لئے اپنے پرائے اور ناصح و بدخواہ برابر ہو جاتے ہیں اور وہ ہزار آگاہیوں کے باوجود کسی دشمن اور بدخواہ سے پرہیز نہیں کرتے۔ ہم مسلمانوں کی بے عملی کا شکوہ تو کرتے ہیں ،مگر کیا اس کے اس بنیادی سبب پر بھی غور کرتے ہیں جس نے ان سے ان کی امید چھین لی ہے؟

اسی کے ساتھ تیسرا سانحہ یہ ہوتا ہے کہ اپنوں اور بیگانوں دونوں کی نگاہ میں قیادت کا وقار جاتا رہتا ہے۔ انہیں باتوں کا نتیجہ ہے کہ اکثر ہماری ملی قیادت حکمرانوں اور ذلیل قسم کے سیاست دانوں اور حقیر افسران کا کھلونا بن جاتی ہے۔ جو ہمیں جہاں چاہتا ہے استعمال کرتا ہے اور جس کام میں چاہتا ہے لگا دیتا ہے۔

قومی اصلاح اور ترقی کا یہ اصول ہے کہ نچلی سطح کے عوام اپنے سربرآوردہ طبقات کے تابع ہوتے ہیں۔ خواص اگر اصول پسندی، بے غرضی، ایثار، سچائی، اعتراف وحق گوئی، انصاف اور مقصدیت کا مظاہرہ کریں گے تو یقیناً ان کے کردار کے اثرات پوری قوم پر پڑیں گے۔ اور اگر عوام کو یہ نظر آئے گا کہ چہار طرف حقیر ذاتی اغراض کا بول بالا ہے، ان کا اکثر تجربہ یہ ہو کہ جس خوش نما ظاہر کی چادر کو اٹھایا جائے اندر سے مال طلبی اور شہرت طلبی کی بھدی رنگت ہی نظر آتی ہے تو پھر ان کے عقل وشعور اسی کے عادی ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ دنیا میں یہی جینے کا طریقہ ہے۔ اس صورت حال کا جو سب سے مضر بلکہ مہلک پہلو ہے وہ یہ کہ قوم کے جو باشعور دردمند اس پست اخلاقی سطح سے بلند بھی ہوتے ہیں ماحول کی مایوسیاں ان کے حوصلوں کی لگام کھینچ لیتی ہیں اور وہ کسی خاموشی کے غار میں بیٹھ رہنے میں ہی عافیت اور اپنے دین وآبرو کی سلامتی سمجھتے ہیں۔

عوام کی سطح کے لوگوں کو تو جانے دیجیے، خواص اور قیادت کے درجے پر فائز طبقے کی افسوس ناک اخلاقی صورت حال سب کے سامنے ہے۔ یقیناً ان میں بعض اپنی ذاتی خصوصیات میں نہایت لائق ستائش اور قابل تحسین کردار کے حامل ہیں۔ ان میں اہل تقویٰ علماء بھی ہیں، زاہد ان شب زندہ دار بھی ہیں، شریف الطبع قائدین بھی ہیں اور عالی دماغ دانشور بھی، مگر جسے آپ اجتماعی اخلاق کہتے ہیں اس میں خواص کہلانے

والوں کا حال بھی معیاری نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اصول پسندی کی جگہ ہماری قیادتوں کا شیوہ مطلب پرستی اور اغراض کی رعایت ہو چکا ہے۔جس کو جس موقف اور کام میں فائدہ نظر آتا ہے وہ اس کی بھرپور وکالت کمال دلسوزی اور خلوص کے مظاہرے کے ساتھ کرتا ہے۔یقین کیجیے راقم سطور کا مقصود نہ کوئی شخص ہے نہ کوئی جماعت وطبقہ۔اس عاجز نے انگشت نمائی کے شبہے سے بچنے کے لئے اجمال ہی کو بہتر جانا اور مفید مطلب ہونے اور اس عرض داشت کی تاثیر وافادیت میں اضافے کی توقع کے باوجود کچھ صاف مثالیں دینے سے عمداً پرہیز کیا ہے۔

نوعمری میں اپنے نانا جان حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ سے ایک بات بار بار سنی تھی، فرماتے تھے ''ہماری قوم سے اجتماعی کاموں کی صلاحیت ختم ہوگئی ہے''۔اس کا مطلب یہی تھا کہ اجتماعی کام اجتماعی اخلاقیات سے ہوا کرتے ہیں، اور یہاں اجتماعی اخلاقیات تو کیا ذاتی اور انفرادی شریفانہ صفات بھی کم لوگوں کے یہاں ملتی ہیں۔یہی بات بعد میں حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے حوالے سے سنی۔ملت کے دو حکیم جب ایک ہی نتیجہ پر پہنچیں تو کیا شبہ یہی اصل مرض ہے باقی سب نتائج ومظاہر ہیں۔

یہ حقیر اولاً تو کسی شمار وقطار میں نہیں، پھر کردار کا وہ خود مفلس ہے۔اس کا بند قبا ایسا تار تار ہے کہ پاکیِ داماں کی حکایت کا کیا سوال؟ مقصد نہ کسی کی تخفیف نہ کسی حلقہ کی طرف انگشت نمائی۔جو کچھ مقصد ہے وہ یہ کہ اپنے سب سے اہم مسئلے پر کچھ سوچ بچار کیا جائے کہ یہ مظلومیت اور ذلت ونکبت کی کالی گھٹا کیوں نہیں چھٹ رہی؟ ہم سرزمین ہند کی سب سے باعزت قوم کے مقام سے گر کر سب سے حقیر، سب سے کمزور، سب سے ذلیل کیوں ہو گئے؟ اس ملک میں اگر کوئی جنگلی بلا مار دے تو اس کے لئے سزا ہے، مگر کوئی مسلمان کا خون بہائے تو لیڈر بن جاتا ہے۔سب قوموں پر برے دن آئے اور رخصت ہو گئے مگر ہماری پستی عروج آشنا ہونے کا نام کیوں نہیں لے رہی؟ نکبت وذلت کے اس اندھیرے غار سے باہر آنے کی ہماری کوئی کوشش کامیاب کیوں نہیں ہو رہی؟

بے اصولیوں کی مثالیں ہمارے اطراف میں اس قدر بھی پڑی ہیں کہ کسی نشان دہی کی کوئی ضرورت نہیں۔مسلمانوں نے جو تعلیمی ادارے کاروباری مقصد اور ذاتی مالی فائدوں کے لئے قائم کئے ہیں وہ تو مارکیٹ کے معیار کے ہیں، مگر دوسری طرف ذرا سوچئے، مسلمانوں کے پاس اس ملک میں کتنے ایسے تعلیمی ادارے ہیں جو قومی ترقی اور فاہ وفلاح کے مقاصد کی خاطر قائم کئے گئے تھے، ان کا تعلیمی اور

انتظامی حال دیکھ کر عبرت ہوتی ہے۔

اعلیٰ درجے کے خواص کے اندر تنگ نظری کا جب یہ حال ہو کہ ایک کام اگر ان کی قیادت وسربراہی میں انجام پائے تو اس کی ضرورت ایسی کہ ملت کی بقا اسی پر منحصر بتلائیں، ہمہ وقت اسی کی اہمیت پر زور دیں اور تمام خلق کو اس میں مشغول ہونے کی دعوت۔ پھر اگر اس کی سربراہی کسی اور کو منتقل ہو جائے تو اب اس کا تذکرہ ہی نہیں، نہ کسی کو اس کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ یہ تنگ نظری ہی نہیں بے مقصدیت بھی ہے۔

شہرت طلبی نے ہمارے ہر کام کو محض نمائشی بنا دیا ہے۔ ہر ایک کو بس اس کی فکر ہے کہ اس کی اور اس کے کام کی کتنی تحسین ہو رہی ہے۔ اپنی خبریں چھپوانے کے لئے اخبارات کو اشتہارات سے نوازا جاتا ہے۔ کام کو اشتہار کی ضرورت ہو تو بجا، مگر اشتہار کام کی ضرورت کے لئے نہیں بلکہ کام اشتہار کی ضرورت کے لئے ہو گیا ہے۔ پستیوں نے تھاہ چھو لی ہے، ہمارا کوئی عزیز وہ ڈگری اگر لے لے جو ہندوستان کے ہزاروں لوگ لیتے رہتے ہیں تو ہم اخبار میں اشتہار دے دے کر اس کی تشہیر کرتے ہیں۔ عوام ایسی سستی حرکتیں کریں تو کم افسوس کیا جائے مگر جب خواص اس پست درجے پر آ جائیں تو یہ کسی قوم کی بربادی کی حتمی نشانی ہے۔

خود غرضی اور مفاد طلبی نے ہر اندازے سے تجاوز کر لیا ہے۔ ہماری اس کمزور بلکہ ذلیل کیفیت کو وقت کے تمام حکمرانوں نے خوب سمجھ لیا ہے۔ ہمارے ایک بزرگ برطانیہ میں تعینات ہندوستانی سفیر سے مسلمانوں کے مسائل کے سلسلہ میں بات کرنے گئے۔ بعض مسائل پر ان کو توجہ دلانے کے بعد جب گفتگو اختتام کو پہنچی تو سفیر صاحب نے سوال کیا اور کچھ؟ جواب نفی میں دیا گیا تو سفیر صاحب نے زیادہ صراحت سے پوچھا اپنی کوئی ضرورت بتلائیں، ان بزرگ نے فرمایا نہیں! یہ بات ان سفیر صاحب کے لئے کافی تعجب کی تھی۔ کہنے لگے آپ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اپنی کوئی ضرورت نہیں بتلائی، ورنہ مسائل تو عنوان ہوتے ہیں۔ اصل بات تو کچھ ذاتی ہوتی ہے۔

یہ فسادِ نیت اور پستیِ کردار ہم سے ہر نا کردنی کرا سکتی ہے۔ ہم مسلمانوں کے قاتل سے بغل گیر ہو سکتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کے خلاف ہر سازش کی حمایت بھی کر سکتے ہیں۔ کسی خاص سازشی اقدام کا نام کیا لیا جائے؟ جب کوئی حکومت کوئی ایسا قدم اٹھاتی ہے جس سے مسلمانوں کو اور ان کے دینی وملی کردار کو نقصان پہونچانا مقصود ہوتا ہے تو ہمارے خواص کے طبقے کے کچھ افراد سے اس کی پوری وکالت بھی کروانے میں وہ کامیاب ہو جاتی ہے۔ افسوس اچھے اچھے لوگ اپنے مفادات ومصالح کی خاطر حکومتوں کے ایسے اقدامات کی

تائید بلکہ ان کا حصہ بننے پر راضی ہوجاتے ہیں جن کے اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے مضر ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ مال ومنال کے سامنے نہ قائدین کو اپنی حیثیت عرفی کی پروا رہتی ہے، نہ علماء کو جبہ ودستار کی عظمت کا خیال اور نہ اللہ کے سامنے اس منافقانہ عمل کی باز پرس کا خوف۔

آپسی تنافس نے بھی ہمیں نہایت نقصان پہونچایا ہے۔ مجھے صاف عرض کرنا مشکل ہورہا ہے، مگر یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ اگر ہماری ہر تنظیم مسلمانوں کے مسائل کے بجائے اپنی نمائندگی اور حلقۂ اثر بڑھانے ہی کو عملاً اصل مقصد اور اولین ترجیح بنائیگی تو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا یہ لامتناہی شوق ہر نا کردنی کرانے کے لیے کافی ہے۔ اور پھر جب شہ اور مات دینے کا کھیل شروع ہوجائے تو اخلاق واصول کہاں بچتے ہیں؟ افسوس جو تنظیمیں اور ادارے مسلمانوں کے مسائل کے حل اور دین کی خدمت کے مقصد سے قائم ہوتے ہیں دھیرے دھیرے تنافس اور دیکھا دیکھی کام کی نذر ہوجاتے ہیں پھر انہیں ہر حکومت، ہر پارٹی اور ہر ایجنسی ہر طرح استعمال کرتی ہے۔

کسی مظلوم اور کمزور قوم کی قیادت کو اگر طاقتور حکومتوں سے پنجہ آزمائی کرنی ہے اور ذلت کے گرداب اور ظلم کے شکنجے سے خلاصی حاصل کرنی ہے تو اس کے لیے غیرت وحمیت کی طاقت پہلی شرط ہے۔ آج آپ جس معرکے میں ہیں اس میں طمع ولالچ کی عشوہ طرازیاں خوف کی لام بندیوں سے پہلے سامنے آتی ہیں۔ مگر ہم میں ''صاحب سلامت'' کا شوق اتنا پیدا ہوگیا ہے اور ہمیں سرکار دربار سے مرعوبیت نے اس بری طرح گھیرا ہے کہ اس کے ذکر سے بھی حیا مانع اور شرم دامن گیر ہے۔ افسوس وصد حیف! وہ امت جس کا اصول مال وزر اور حکومت وسلطنت سے بے پروائی تھا اس کے خواص حقیر حکمرانوں بلکہ افسران کی نظر عنایت کے لیے سراپا نیاز ومسکنت بنے ہوئے ہیں۔ ان کی مدح سرائی میں نہ صرف قلابے ملاتے ہیں بلکہ ان کی رضا جوئی میں ہر رسوا کن قلابازی کھانے کے لیے تیار رہتے ہیں۔

ہوس کی دھوم دھام ہے نگر نگر، گلی گلی

قومی مقاصد، مال ومنال اور حقیر نوکریوں کی بھینٹ چڑھا دئے جاتے ہیں۔ اس حقیر نے اچھے اچھے قائدین اور سماجی کارکنوں کی سرکار دربار میں ایسی عاجزی اور بچھنے کی کیفیت کے متواتر قصے سن رکھے ہیں کہ شرمندگی سے سر جھک جاتا ہے۔ اب تو حال یہ ہے کہ حکمرانوں اور وزیروں کے کچھ گماشتے ہیں، جو جب ان کے آقا چاہتے ہیں وہ ان کے سامنے ہمارے رہنماؤں کی پریڈ کرا دیتے ہیں اور جو چاہیں بیان

دلوادیتے ہیں۔

سیاسی پارٹیوں میں مسلمانوں کے جو لوگ شریک ہوتے ہیں ان میں سے ایک تعداد نہایت حقیر اور پست قسم کے افراد کی ہے، جن کے اندازِ نشست و برخاست سے صرف ذاتی اغراض کی طلب ظاہر ہوتی ہے۔ مزید برآں ان پارٹیوں کے ساتھ ہماری ملی قیادت کا رویہ بھی نہایت مایوس کن ہے۔ بعض جماعتوں کے بارے میں مسلم عوام کا یہ تاثر بڑھتا جارہا ہے کہ ان کے کردار کا ایک حصہ کسی سیاسی پارٹی کی حاشیہ برداری ہے۔ وہ ہزار صفائیاں دیں کہ سیاست کی وادی ان کی گذرگاہ نہیں، مگر عملاً ان کے رہنما ہمیشہ اسی کوچہ کے طواف میں مشغول نظر آتے ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ یہ تذکرہ نہ قوم کے رذیل و بدکار لوگوں کا ہورہا ہے نہ عوام کا۔ یہ ہمارے اچھے لوگ ہیں، یہ قوم کی قیادت اور نمائندگی کے مقام بلند پر سرفراز لوگ ہیں۔ ہم اہل مغرب کو اخلاقی پستیوں کا بڑا طعنہ دیتے ہیں، یقیناً ان کے ظلم سے انسانیت خوں چکاں ہے اور ان کی بے حیا تہذیب نے آدمیت کے شرف کو داغ دار کیا ہے۔ مگر آپ مغرب کے کسی سیاسی یا قومی نمائندے سے اپنی قوم کے مفاد کی ایسی قربانی کی توقع نہیں کرسکتے جیسی ہمارے نمائندے معمولی سی پیشکشوں پر روز دیتے ہیں۔ کسی یہودی تنظیم یا قابل ذکر نمائندے نے آج تک ہولوکاسٹ کو معاف نہیں کیا۔ آزاد ہندوستان کی تاریخ میں سکھوں کے ساتھ صرف ایک مرتبہ ۱۹۸۴ء کے فسادات کی شکل میں وہ پیش آیا جو ہمارے لئے روزمرہ کا قصہ ہے۔ کیا مجال کہ ان کا کوئی قومی نمائندہ اس کے حوالے سے کانگریس کی صفائی دینے کا ذلیل مظاہرہ کرے؟ مگر ہمارے نمائندوں کا کیا حال ہے ہم جانتے ہیں۔ چھوٹے سے فائدوں کے لئے۔ ذاتی عزائم اور مفادات کے لئے ہم ذلت انگیز حد تک پستی اختیار کرنے کو تیار رہیں۔ افسوس کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو کافروں سے بھی عبرت نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر علماء کے طبقے کو ہر ایمانی کمزوری اور ہر اخلاقی فساد کا معالج بنایا ہے۔ علماء کی جماعت کا اصل فریضہ ہی دین و اخلاق کے اعلیٰ معیار کی حفاظت ہے۔ اہل بدعت گمراہ فرقوں کے علماء کہلانے والوں کا یہ ذکر نہیں، اہل حق میں شمار کئے جانے والوں میں سے ایک تعداد اسی پستی اور تنزل کا شکار ہے۔ ان سطروں کا لکھنے والا یہ حقیر و کمتر اور گوناگوں اخلاقی بیماریوں میں گرفتار کہاں سے علماء سے کچھ کہنے کا منھ لائے؟ علماء کے عزت و وقار میں کمی سے قوم کے دین کا بڑا نقصان ہے۔ اس لئے ڈر لگتا ہے کہ ان

کو کچھ توجہ دلانے سے دوسری طرف کہیں دین کا یہ نقصان نہ ہوجائے۔ کیسے کچھ عرض کیا جائے، اور عرض کئے بغیر کیسے رہا جائے کہ حکیم ہی بیمار ہے۔ اور افسوس کہ اپنی اس مہلک بیماری سے اکثر غافل۔

حیف کہ پانی سر سے اونچا ہو چکا۔ ابھی کل کی بات ہے ایک غیرت فروش مولوی کہلانے والا بی جے پی کی کور کمیٹی کا ممبر ہے اور وہ ایک مدرسہ میں جاتا ہے۔ مدرسے کے ذمے داروں کا حال دیکھئے کہ اس شخص کو عین مدرسہ کے اندر پریس کے نمائندوں سے مخاطب ہونے کا موقع دیا جاتا ہے، وہ مدرسہ میں بیٹھ کر بی جے پی کی وکالت کرتا ہے اور صاف کہتا ہے کہ میں علماء کو بی جے پی میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ سوچئے مدرسے کا ذمے دار ہوتے ہوئے کوئی اس نفاق اور ملت فروشی کا معاون بھی بن سکتا ہے! انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ایک مدرسے کے ذمہ دار نے اپنی غیرت کو اس طرح سر بازار سولی دی کہ انتخابات میں ایک فلمی اداکارہ کے ساتھ خوب گھومے۔ اور اپنے دین کی قیمت یہ وصول کی کہ مدرسے میں اس کے پارلیمانی فنڈ سے تعمیری کام کروائے۔ اب ''علماء'' کا ان زنا کے داعیوں اور داعیات سے بھی جوڑ ہوسکتا ہے؟؟؟ وہ صاحبہ پھر ان مولوی جی کے ہمراہ مدرسے میں قدم رنجہ بھی فرماتی ہیں اور مدرسے کی عمارت کا افتتاح بھی ان کے ''دست مبارک'' سے انجام پاتا ہے۔ اور ان سب نحوستوں اور ناپاکیوں کی باقاعدہ تصویریں محفوظ رکھی جاتی ہیں۔ آپ یہ سوچ کر دل کو مت بہلا لیجیے گا کہ یہ تو کوئی ایک آدھ افراد کا بگاڑ ہے، جی نہیں! وہ صاحب ان سب کارناموں کے بعد بھی آپ کی جماعت میں مطعون نہیں قرار پاتے، وہ حسب سابق قابل قبول ہیں۔ پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے۔

ذاتی عمل اور کردار میں اس درجے گر جانے والوں کی تعداد کچھ خاص نہیں، مگر اس پر بڑوں کی طرف سے قول اور عمل سے شدید نکیر اور تقذّر (گھن) کا اظہار نہ ہونے کی وجہ سے یہ پست اور فاسد عنصر اپنی تعداد لگاتار بڑھاتا جارہا ہے۔

اس سے اوپر بھی علماء کی ایک خاصی تعداد ہے جو الحمدللہ ایسی پست تو نہیں، مگر اپنے کردار و گفتار سے عوام کے اندر کچھ اچھا تاثر نہیں چھوڑتی۔ ہمارے یہاں ہر طرف خاک اڑ رہی ہے۔ شہرت طلبی کی ایک ہوڑ لگی ہوئی ہے۔ ہر وقت اپنا اور اپنے چھوٹوں اور بڑوں ہی کی مدح و توصیف وطیرہ بنا ہوا ہے۔ اللہ والوں کا حال تو یہ ہوتا تھا کہ اپنے بڑوں کے تذکرے سے بھی اپنی تعریف کی بو آئے تو وہ اس سے بھی پرہیز کرتے

تھے۔حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے حضرت کا بھی تذکرہ نہیں کرتا کہ اس میں بھی اپنی تعریف ہے''۔روزے نماز کی ظاہری دین داری کو اگر چھوڑ دیں تو ہم متاع دنیا کی تحقیر کے داعی ہوکر بھی کس قدر اسی کے پیچھے بھاگنے والے بنے ہوئے ہیں۔وہی سود وسودا اور مکر وفن کی گرم بازاری، وہی مصنوعی گفتگوئیں۔ہمارے حالات ایسے ہیں کہ ایک ذہین دردمند اپنے احساس کی اس گواہی کو چاہ کر بھی جھٹلا نہیں پاتا کہ ہماری تگ ودو کے عنوان کچھ اور ہوتے ہیں اور حقیقی مقاصد کچھ اور، کسی نام سے کانفرنس اور جلسہ ہوتا ہے اور اندر کی اصل نگاہ کسی اور چیز پر ٹکی ہوتی ہے۔

مدرسوں کے جلسوں میں سیاسی لیڈروں کا جو اکرام واعزاز ہونے لگا ہے کبھی ہم نے سوچا کہ اس کو دیکھ کر ہمارے چھوٹوں کے دل میں کیسی مرعوبیت پیدا ہوتی ہے؟ جب طلبہ اصحاب جبہ ودستار کو اہل دنیا کے سامنے بچھتے گرتے دیکھیں گے تو وہ کس کردار کے اٹھیں گے؟ ان کے خواب کیا ہوں گے؟ وہ اپنے لئے کس کردار کا انتخاب کریں گے؟ اور جب ان کے سامنے دین کے مفاد اور دنیا کی چمک دمک کا تصادم ہوگا تو وہ کیسے اپنے لئے غیرت وحمیت کی راہ چنیں گے؟ آہ! کہ زہد اور دنیا بیزاری جس کی پیشانی کا نور ہوا کرتے تھے آج وہ وزیروں اور بادشاہوں کا دریوزہ گر ہے۔

اس متوسط طبقے سے بھی اوپر ہمارا ایک طبقہ اور ہے۔قابل رشک حد تک باصفا، ذاتی دین داری سے مزین اور لائق تقلید پاکیزگی کا پابند۔مگر وہ اونچا اخلاقی معیار اور بااصول کردار جو زمانہ کے امام کا ہونا چاہئے، اور جس کے بغیر اس زبوں حال امت کا بھلا ہونے کی کوئی راہ زمان حاضر میں نہیں، اس طبقے نے بھی اس منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی اپنی ہمت کے پتوار رکھ دئے ہیں۔جاہ ووقار میں منافست نے ہمیں اصحاب دنیا کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ایک صاحب کو اس پر افسوس کرتے ہوئے پایا گیا کہ ان کے بین الاقوامی سفر سال میں ایک آدھ ہی ہو پاتے ہیں اور فلاں صاحب کے کئی ایک۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔اس پست سوچ سے کیا کسی قوم کی کشتی بھنور سے نکل سکتی ہے؟ وہی گروہ بندیاں، وہی خلوص سے عاری مجاملت اور وہی مفادات ومراعات کے زیر اثر فیصلے جو اہل دنیا کے لئے بھی ذلت ہی ہیں، ہمارے گروہوں میں داخل ہوگئی ہیں۔ایک بزرگ کا یہ جملہ کان میں پڑا تھا کہ: آج کی دنیا میں کوئی یہ نہیں چاہتا کہ برائی نہ ہو، ہر ایک بس یہ چاہتا ہے کہ برائی اس کے جھنڈے تلے ہو''۔ہمارے دینی قائدین کے یہاں جب یہ منظر دکھتا ہے کہ نہایت نامناسب بلکہ منافقانہ کردار کے لوگ، جن سے مسلمانوں کو شدید نقصان پہونچتا ہے، عزت وتوقیر ہی نہیں

تعاون اور مشارکت بھی پاتے ہیں تو الفاظ نہیں ملتے کہ کس قدر چھوٹوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔اب وہ کہاں سے یہ ہمت لائیں کہ معیار سے گری ہوئی حرکتوں سے ہر حال میں گریز کریں گے۔

اے کاش ہمارے یہ بزرگ سوچیں کہ ایسے دین دشمنوں اور ملت فروشوں کی جب ان کے رسوخ وطاقت کی وجہ سے یا کسی ایسی مصلحت کی بنیاد پر پذیرائی ہوتی ہے، جو بہر حال خالص دینی مصلحت نہیں ہوتی ،تو ان کا یہ عمل عام دردمند مسلمانوں کے لئے کیسا مایوس کن اور ہمت شکن ہوتا ہے۔مخلصانہ تنقید اور بے غرض روک ٹوک ایک قومی اور دینی ضرورت ہے جو موہوم وقتی مصالحت کے لئے چھوڑ دی گئی ہے۔ہم کو سوچنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''انکار منکر'' یعنی خرابیوں پر ایک دوسرے کو متوجہ کرنے کی کس قدر تاکید فرمائی ہے۔یہاں تک کہ اس فریضے سے غفلت پر دنیا ہی میں اللہ تعالی کے عذاب کی وعید بھی سنائی ہے۔اگر علماء وہ بھی بڑے علماء اپنی خوش نامی ،تعلقات اور خوش رکھنے کے مقاصد سے اس فریضے کو چھوڑ دیں گے تو اخلاقی تنزل کے بھنور میں امت کی پھنسی کشتی کے نکلنے کا کوئی امکان نہیں۔

یقیناً اللہ والوں کی ایک جماعت (اچھی خاصی تعداد میں) علماء میں ایسی ضرور ہے جو اخلاص و صدق ،اور بے لوثی اور پاکی میں نمونہ اور اسوہ کا درجہ رکھتی ہے،مگر عموماً ماحول ایسا ناسازگار ہے کہ وہ بس اپنے محدود دائروں کے اندر اپنے کردار کے دیے جلائے بیٹھے ہیں۔ملی جدوجہد کے دائرہ میں سود وسودا اور مکر و فن کی ایسی گرم بازاری ہے،اور دین واخلاق کا ایسا نقصان نظر آتا ہے کہ:

جس کو ہو دین ودل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟

کا سوال سامنے آنے کے بعد ایسے اچھے لوگ اپنے بڑھے پاؤں بھی کھینچ لیتے ہیں۔تنافس کے ماحول اور صدق و وفا کی بہائے گراں مایہ کی شدید ناقدری کی وجہ سے ان لوگوں سے ہماری اجتماعی معاملات میں قیادت اور رہنمائی کا جو فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا وہ نہیں اٹھایا جارہا۔

اے طبقۂ خواص! آپ ہی ملت کی آبرو ہیں،خطروں سے گھری اور اندیشوں سے گھبرائی اس ملت کو اللہ کے بعد آپ ہی کا سہارا ہے۔ان سطروں کا لکھنے والا اس وقت شدید کرب والم سے دوچار ہے۔ان چیزوں کے بارے میں سوچتے وقت شرم وافسوس کے غم انگیز احساسات سے اس کی پیشانی عرق آلود ہے۔مگر نہ جائے رفتن اور نہ پائے ماندن کا معاملہ ہے۔نہ خموشی کی تاب ہے اور نہ کہتے بنے ہے۔یہ اخلاقی زوال ہمارے جسم

ملی کا زخم ہے۔.....اور اپنے زخموں کو کریدنا آسان نہیں ہوتا۔مگر.....۔مگر زخم کو صاف کئے بغیر جب تک آپ اوپر اوپر کی مرہم پٹی کئے جائیں گے اندر کی عفونت اور سڑاند بڑھتی ہی رہے گی۔

محترمان گرامی! مجھے خیال خاطر احباب چاہئے، اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ یہ لکھنے والا خود بھی ہزار خرابیوں اور گندگیوں کا مجموعہ ہے۔اس کی ناپاکیوں پر مستزاد اس کی بے عملی ہے۔یہ کردار کا غازی کیا ہوتا اس سے تو گفتار بھی نہیں آتی۔مگر جہاں تک انداز ہے ان سطروں کا مقصد اپنی براءت نہیں ہے۔مگر دل کا اصلی حال تو اللہ تعالی ہی جانتا ہے۔

یہ حقیر آپ کو اللہ کا اور دین ورسول کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہے، خدارا اپنے مقام اور ذمے داری پر غور کیجیے! رحم کیجیے اس قوم پر، آپ ہی اس کی دین ودنیا کے امین ہیں۔یہ قوم آپ کی ہی تو آس لگائے بیٹھی ہے۔اور یہ بھی آپ اور آپ جیسوں ہی کا شرف اور مقام ہے کہ اس امت کے مسائل اور مشکلات اگر حل ہوں گے تو آپ ہی کی قیادت میں۔اگر خواص میں کمزوریاں ہیں تو بھی امت مسلمہ ان سے دست بردار اور بے نیاز نہیں ہوسکتی۔اس کو آپ کی ضرورت ہے۔کاش آپ کے سر پر آخرت میں رسول اللہ ﷺ کی امت کی کامیابی کا سہرا بندھے۔

آپ اگر اصول پسندی اور سچائی اور ایثار کو اختیار کریں گے تو آپ جانتے ہیں کہ حالات ملک میں مسلمانوں کے لئے کس قسم کے اندیشوں کی آگاہی دے رہے ہیں۔آپ کو سوچنا چاہئے کہ آپ اپنے کسی ذاتی یا اپنے گروہ کے کسی فائدے کے لئے جو قدم اٹھالیتے ہیں وہ سبب بنے گا مسلمانوں کی تباہی کا اور اللہ کے یہاں آپ کے حساب میں لکھا جائے گا کہ یہ بندہ مسلمانوں کے خون بہنے بلکہ اس ملک میں اسلام کی شکست کا ذریعہ بنا۔خدانہ کرے ہم آپ قیامت کی عدالت میں ایسے کسی جرم کے مجرم بنا کر حاضر کئے جائیں۔

یہ آپ کے ایک بھائی کی خادمانہ عرض داشت ہے۔ایک مدت سے اس کے دل میں آپ سے کچھ عرض کرنے کی تمنا تھی۔انتظار تھا کہ یہ کام کسی مؤقر بزرگ کی طرف سے انجام پائے، مگر پھر خیال ہوا کہ شائد جو پہلو اس عاجز کے ذہن میں ہیں شائد دوسروں کے ذہن میں نہ آسکیں۔اللہ کے واسطے سنجیدگی سے مسئلے پر غور فرمائیں۔اگر اپنے کسی موقف میں تبدیلی کی ضرورت محسوس فرمائیں تو آخرت میں اللہ کے عظیم اجر اور دنیا میں اس کی غیبی مدد ونصرت کی توقع کے ساتھ اس تبدیلی کو کر گزریں۔اللہ آپ کا حامی وناصر ہو۔

۞۞۞

محفل (۱۳۷) سورۃ المائدۃ (۱۵)

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہٗ

اللہ کی حلال فرمائی پاکیزہ چیزوں کو خود پر حرام کر لینا حد سے بڑھنا ہے
شراب اور جوا البتہ وہ ناپاک چیزیں ہیں کہ پرہیز لازم

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَیْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْۤا اَیْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۹۲﴾ لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ

اے ایمان والو حرام نہ وہ پاکیزہ چیزیں ٹھیراؤ جو اللہ نے تمہارے لئے حلال فرمائی ہیں اور حد سے بڑھو مت۔ بے شک اللہ نہیں حد سے بڑھ جانے والوں کو پسند کرتا (۸۷) اور کھاؤ جو کچھ بھی حلال وطیّب اللہ نے تم کو دیا ہے۔ اور ڈرتے اس اللہ سے رہو جس پر ایمان تم رکھتے ہو (۸۸) (اور) اللہ نہیں تم سے مؤاخذہ تمہاری لغو قسموں پر کرتا، بلکہ ان قسموں پر مؤاخذہ فرماتا ہے جو تم نے پُختہ باندھی ہوں۔ پس ایسی قسموں کا کفّارہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجہ کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے پہنانا یا ایک غلام کا آزاد کرنا۔ اور جسے اس کی مقدرت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھنا۔ یہ کفارہ ہے تمہاری (ایسی) قسموں کا جب تم کھا لو۔ اور حفاظت اپنی قسموں کی کیا کرو۔ اللہ اس طرح واضح تمہارے لئے فرماتا ہے اپنے احکام کہ تم شکر گزار رہو (۸۹)

اے ایمان والو یہ شراب اور جوا اور استھان اور پانسے سب گندے شیطانی کام ہیں۔ پس ان سے بچو تا کہ فلاح پاؤ (۹۰) شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم میں بغض وعداوت شراب اور جوئے کے راستے سے ڈالے اور اللہ کی یاد اور نماز سے تمھیں روکے۔ تو (بولو) اب بھی باز آتے ہو (۹۱) اور (دیکھو) اطاعت اللہ ورسول کی کرو اور خبردار رہو۔ اور اگر تم روگرداں ہوگے تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ بس صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ (۹۲) (اور) کوئی گناہ ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک عملی انھوں نے اختیار کی اس چیز کے بارے میں نہیں جو وہ کھا پی چکے جب کہ تقویٰ ان کا شعار ہو اور ایمان رکھتے اور نیک اعمال کرتے ہوں۔ اور پھر تقویٰ شعار کرتے اور ایمان رکھتے ہوں۔ اور پھر تقوے پر عامل اور نیکوکار رہے ہوں۔ اور اللہ دوست نیکو کاروں کو رکھتا ہے (۹۳)

ربطِ کلام

سورہ کا آغاز کھانے پینے کے سلسلہ میں حرام وحلال کے احکامات سے ہوا تھا۔ اور اب سورہ خاتمہ کی

طرف آ پہنچی تو اسی سلسلہ کی کچھ اور باتیں ارشاد فرمائی جارہی ہیں جن کی ضرورت اس درمیان میں کسی پہلو سے رونما ہوئی۔ پہلی ہی بات جس سے اس نئے سلسلۂ بیان کا آغاز ہوا ہے (کہ جن چیزوں کا کھانا پینا تم پر اللہ نے حلال رکھا ہے انھیں اپنے اوپر حرام نہ کرو) اس کی ضرورت تو اوپر کی ان آیتوں سے ظاہر و باہر ہے جن سے رہبانیتِ نصاریٰ کی تعریف نکل رہی تھی۔ یہی آیتیں یہ بھی بتارہی تھیں کہ یہ لوگ جن کے حوالہ سے یہ آیتیں آئیں اسلام کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ پس ان کو فوراً ہی اس تعلیم کی ضرورت تھی کہ یہ راہبانہ زندگی جس کا سلسلہ ان کے یہاں کچھ تاریخی عوامل کے جبر سے شروع ہوا تھا، اور بعد میں وہ ایک معیاری اور مثالی دینی زندگی قرار پاگئی، جس میں بہت سی حلال چیزیں اپنے اوپر حرام کرلی جاتی ہیں، یہ اسلام میں پسندیدہ نہیں ہے۔ یہ ایک غلو، تشدد اور انتہا پسندی ہے، جب کہ اللہ اپنی مخلوق کو اسی اعتدال پر دیکھنا چاہتا ہے جو اس نے ان کی فطرت میں رکھا ہے، اور اس اُمت کو اس اعتدال ہی کا نمونہ اس نے خاص طور سے بنانا چاہا ہے، کہ نام ہی ''اُمَّۃِ وسط'' رکھدیا ہے۔

پس اس پہلی ہدایت کی اولین ضرورت تو اسی نومسلم گروہ کو تھی۔ جبکہ رُھبان کا تعریفی انداز میں ذکر آنے کے بعد خود مسلم معاشرہ بھی اس تنبیہ کا حاجت مند بن گیا تھا۔ تفسیر روح المعانی میں آیت کے نزول کو مسلم معاشرہ کی اسی ضرورت پر محمول کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ رھبانیتِ نصاریٰ کی تعریف سے چونکہ نفس کشی اور ترکِ دنیا کے رجحانات کی ہمت افزائی ہوسکتی تھی پس اللہ تبارک تعالیٰ نے فوراً ہی اس بارے میں یہ تنبیہ بھی نازل فرمائی (**کَانَّہ لمّا تضمّن ما سلف مِن مدح النّصاریٰ علی الرھبانیۃ ترغیب المؤمنین فی کسرِ النفسِ ورفض الشھوات عَقب سبحانہ و تعالیٰ بالنھی عن الافراط فی ھٰذا الباب ای لا تمنعوھا انفسکم کمنع التحریم۔۔۔۔**) اور خود روح المعانی اور دیگر کتبِ تفسیر میں مروی متعدد روایات سے شہادت بھی ملتی ہے کہ ایسے رجحانات رونما ہورہے تھے۔ مثلاً ابنِ کثیر میں اس آیت کی شانِ نزول میں حضرت ابنِ عباس کے حوالہ سے آتا ہے: ''اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جماعت نے کہا کہ ہم بھی رھبان کی طرح دنیا سے کنارہ کریں گے، نہ کہیں گھر در رکھیں گے نہ خود کو عورتوں کے قابل۔ اس کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے تنبیہ فرمائی کہ یہ میرا طریقہ نہیں ہے۔ اور تب یہ آیات بھی نازل ہوئیں۔

حلال وحرام میں مداخلت خلافِ ایمان ہے

الغرض فرمایا گیا: اے اہلِ ایمان اللہ کی دی ہوئی پاکیزہ اشیاء اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ نیز فرمایا **وَلَا تَعْتَدُوْا** ۔۔۔ اور حد سے نہ بڑھو کہ اللہ کو حد سے بڑھنے والے لوگ پسند نہیں ہیں''۔ یہ جملہ ''حرام نہ ٹھیراؤ'' کی

تاکید کے لئے بھی ہوسکتا ہے، کیونکہ حلال کو حرام ٹھیرالینا اللہ کی قائم کردہ حد کو پھلانگنے کے معنیٰ رکھتا ہے اور اس حکم کی توسیع بھی اس کا مقصد ہوسکتی ہے، کہ صرف حرام کو حلال ٹھیرالینا ہی غلط نہیں بلکہ اللہ کی قائم کردہ ہر حد اسی طرح واجب الاحترام ہے۔ ''پس حرام کو حلال ٹھیرالینا بھی ایسا ہی ممنوع جانو اور یاد رکھو اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔'' اور جسے اللہ پسند نہ کرے اس کا ٹھکانا؟ ایک حدیثِ نبوی ﷺ کا مفہوم ہے کہ محرّ ماتِ الٰہی کے معاملے میں بیحد محتاط رہو اور اس کی حدوں سے فاصلہ پر رہنا لازم جانو۔ ورنہ جو حدوں کے آس پاس منڈلانے لگتا ہے اس کا پاؤں ایک دن حد کے پار جا ہی پڑتا ہے۔ اور خدانہ خواستہ حدوں کی یہ خلاف ورزی اگر دانستہ ہے، کہ جیسے حد میں رہنا ضروری ہی نہیں جانتا، تو آدمی پھر بندگی کی حد سے نکل جانے کا مجرم ہی نہیں ہوتا وہ خدائی کی حدوں میں داخلے کا بھی مرتکب ٹھیرتا ہے، کہ وہ آپ ہی اپنا خدا اور فرمانروا ہے۔ چنانچہ آگے وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۔۔۔۔ سے تمام حلال وطیب چیزیں کھانے (یعنی ان سے پرہیز نہ رکھنے) کی ہدایت فرماتے ہوئے یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ اُس اللہ سے ڈرو جس کی خدائی وفرمانروائی پر تم ایمان رکھتے ہو (وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ)

قسم کھالی ہے تو توڑنا اور کفارہ دینا ہے

دوسری آیت میں فرمایا گیا: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ۔۔۔۔ (تمہاری لغو قسم کی قسموں پر تو اللہ کے یہاں کوئی مؤاخذہ نہیں البتہ وہ قسمیں قابلِ مؤاخذہ ہیں جنھیں تم نے قصد وارادہ سے باندھا ہو۔۔۔۔) اس کا تعلق بھی اوپر کے آیت کے مضمون سے ہے۔ رہبانیت والے طور طریق کی سوچ جو، مذکورہ بالا روایات کے مطابق، مسلم معاشرہ میں رونما ہوئی تو بعض افراد نے اس کی شدت میں کچھ چیزوں کو اپنے پر حرام کرنے کی قسم بھی کھالی۔ اسی کے بارے میں یہ دوسری آیت ہے، جس کا مدعا یہ ہے کہ ایسی قسم توڑ دینا ہے۔ لیکن کلمۂ قسم کو بھی ایک احترام شریعت نے دیا ہے، پس ناروا چیز پر قسم کھا کر اسے اپنے ذمہ لیا ہے تو ایک طرف تو اس سے باز آنے کے لئے قسم توڑنا ہے اور دوسری طرف کلمۂ قسم کی بے حرمتی کا کفارہ دینا ہے۔ یہی اس آیت کا مضمون ہے۔ کفارہ کا بیان تو آگے آرہا ہے، اس سے پہلے قسم کی یہ دو قسمیں جن کے لئے لَغْو اور بِمَا عَقَّدْتُّمْ کے الفاظ آئے ہیں وضاحت طلب ہیں۔

قسم کی دو قسمیں

قسم کی ان دونوں قسموں کا ذکر سورۂ بقرہ (آیت ۲۲۵) میں بھی آیا ہے۔ وہاں بِمَا عَقَّدْتُّمْ کی جگہ بِمَا

كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ کے الفاظ تھے جن کی روشنی میں یہ طے ہوجاتا ہے کہ یہ وہ قسم ہے جو دلی ارادہ کے ساتھ کھائی گئی ہو۔لیکن اس میں ایک شرط اور بھی ہے ۔وہ ہے اس کا تعلق مستقبل کے کسی عہد و قرار سے ہونا۔عقد کے لفظ میں اس مفہوم کا بھی اشارہ نکل آتا ہے، جو اس موقع کی ضرورت تھی۔ رہی وہ قسم جس کو لغو کہا گیا ہے اور فقہی زبان میں ''یمینِ لغو'' کہیں گے۔اس کی ایک صورت عین لفظی مفہوم والی ہے کہ بس منہ سے بے ارادہ کلمۂ قسم نکل گیا، دوسری یہ صورت بھی اس کا مصداق ہے کہ کسی گزشتہ زمانہ سے متعلق کوئی بات اپنے گمان میں واقعہ سمجھ کر بہ قسم بیان کردی جائے، حالانکہ واقعہ میں غلط ہو۔ان دونوں میں سے کسی صورت پر بھی کفارہ نہیں لازم آتا ہے۔ یہ معاف ہیں۔

کفّارہ اوراس کی کئی صورتیں

کفّارہ عربی میں وہ مفہوم رکھتا ہے جس کے لئے اردو ہندی میں بھگتان کا لفظ بولا جاتا ہے۔اس بارے میں حکم فرمایا گیا کہ دس مسکینوں کو پورے دن کا ویسا کھانا دیا جائے جیسا آدمی اپنے گھر والوں کو کھلاتا ہو، یا انھیں کپڑے پہنا دئے جائیں یا ایک غلام آزاد کردیا جائے۔گویا یہ تینوں چیزیں مساوی ہیں ۔تو پھر اسی سے اس کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ کپڑا پہنانے کا کیا معیار ہوگا؟ دس آدمیوں کا ایک دن کا کھانا یا ایک غلام باندی جو قیمت رکھتے ہوں گے اس قیمت کا کپڑا ہونا چاہئے ۔لیکن اگر ان میں سے کسی ایک چیز کی بھی استطاعت نہیں ہے تو تین دن کے روزے رکھے۔

یہ روزے حنفیہ اور حنابلہ کے یہاں متواتر رکھنا لازم ہیں۔یعنی جیسے کفارہ کے وہ روزے جن کا حکم سورۂ مجادلہ (آیت ۴) یا سورۂ نساء (آیت ۹۲) میں آتا ہے۔اور بعض صحابہؓ کی قرأت کی رو سے خود اس آیت میں بھی وہ الفاظ (ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ مُتَتابعات) آتے ہیں جو تواتر لازم کرتے ہیں ۔فرمایا: ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَیْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ (یہ کفارہ تمہاری قسموں کا ہے جب تم کھا بیٹھو) پھر اس کفارہ کے بارے میں غفلت نہ برتنے کی تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: وَاحْفَظُوْٓا اَیْمَانَكُمْ (اور خوب دھیان اپنی قسموں کا رکھو) اس فقرہ کی شرح اور بھی کسی طریقہ سے کی جاسکتی ہے۔ یہاں جو مفہوم و مدعا بیان کیا گیا ہے وہ ابن کثیر نے امام ابنِ جریر کے حوالہ سے رقم فرمایا ہے۔

ان احکام میں بوجھ نہیں شکر کا پہلو دیکھو

آیت کا آخری فقرہ: كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔اہلِ ایمان کو اللہ کے

اس فضل و کرم کی قدر شناسی پر متوجہ کررہا ہے جو اِن دونوں آیتوں کے نازل فرمائے جانے میں پنہاں ہے۔ فرمایا دیکھو اللہ کس طرح اپنی ہدایات تم پر روشن کرتا ہے تا کہ تم شکر گزار رہو!۔۔اور کیسے نہ شکر گزار مؤمنین کو ہونا چاہئے کہ یہ آیتیں نہ نازل ہوتیں تو وہ کہاں جانتے کہ زُہد وتقویٰ کی یہ شکل جو رہبانیت کی صورت میں اختیار کی جاتی ہے اور بڑی مرعوب کرنے والی ہے، کہ اللہ کے لئے سب کچھ چھوڑ بس اس کے نام پر گزارہ ہے، اللہ کے یہاں پسندیدہ نہیں ہے! اور پھر کیسا اس کا کرم ہے کہ جو لوگ جو اس سے رُعب کھا کر اسی راہ پر چل نکلنے کی قسمیں کھا بیٹھے ہوں ان پر واپسی کا وہ راستہ بھی کھول دیا جو قسم توڑنے میں ان کا احساسِ گناہ رفع کردے۔ ایسا راستہ جس میں لوگوں کے مختلف حالات کی رعایت بھی ہے، کہ کسی کو بھی مشکل نہ رہے۔ **سُبحان اللّٰہِ و بحمدِہٖ سُبحَان اللّٰہ العَظِیم**

جوا اور شراب قطعاً حرام

اوپر حلال کو حرام ٹھیرانے پر تنبیہ تھی اب حرام سے دور رہنے کی ہدایت ہورہی ہے۔ ''اے ایمان والو قمار بازی، شراب نوشی، استھان اور پانسوں سے تقسیم، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں ان کے پاس نہ جاؤ۔'' شراب و قمار کی خرابی کا ذکر سورہ بقرہ میں گزرا ہے اور اَنصاب و اَزلام کی حرمت اسی المائدہ کے شروع (آیت ۳) میں (وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ) کے الفاظ سے گزری۔ یہاں الفاظ کا اختصار ہے ورنہ مفہوم وہی ہے (یعنی استھانوں کی قربانیاں اور پانسوں سے تقسیم شدہ گوشت)۔ انصاب وازلام کا ذکر یہاں بظاہر ضمناً ہے، کہ ان کی صریح حرمت تو ابھی گزر چکی تھی۔ اصل مقصود جوا اور شراب ہے، جس کی صاف حرمت ابھی تک نہیں آئی تھی، بس اوّلاً ایک اشارہ سورہ بقر (آیت ۲۱۹) میں دیا گیا تھا کہ قابلِ ترک چیز ہے۔ پھر نماز میں خرابی کا ایک واقعہ شراب نوشی کے اثر سے سے پیش آنے پر سورہ نساء میں ہدایت فرمائی گئی کہ نماز کے اوقات میں شراب نوشی پر ہیز کریں۔ اور جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے، شراب کے اثرات کے بعض واقعات ایسے بھی پیش آگئے کہ لاف گزاف اور تشدد کی صورت کسی مجلس میں رونما ہوگئی تب پھر یہ قطعی ممانعت کا حکم نازل ہوا اور ''انصاب وازلام'' جیسے محرّمات میں اس کو داخل دکھایا گیا۔ اور ایسا لگتا ہے کہ یہ انصاب وازلام جیسا اس کو دکھایا جانا معاملہ کی شدت کے اظہار کے لئے ہے۔ (جیسا کہ آگے آنے والی آیت اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔۔۔میں یہ بات شدّت صاف محسوس ہوتی ہے۔)

سورۂ بقرہ کے اشارے کی شرح

اولین آیت جو اس بارے میں سورۂ بقرہ میں نازل ہوئی تھی اس میں بس ایک اشارہ اس کے قابلِ ترک ہونے کا دے کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ فرمایا گیا تھا: ''اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا'' ان میں اگر کچھ نفع ہے تو نقصان اور گناہ کا پہلو نفع کے پہلو سے بڑا ہے۔ یہاں اب قطعی اور کھلی ممانعت کے ساتھ یہ گناہ اور نقصان والے پہلو ہی کا اشارہ کھولتے ہوئے فرمایا گیا: یہ جوئے شراب کا شغل محض شیطانی تحریک کا ثمرہ ہے۔ یعنی اس کی سجھائی ہوئی ایک گندی چیز، اور اس سے اُس کا مقصد ہے بغض وعداوت کی آگ تمہارے اندر بھڑکانا اور اللہ کی یاد اور نماز سے تمھیں روکنا: اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ ۔۔''

قوموں میں باہم عداوت وبغض وہ چیز ہے کہ اس کی برائی سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ پھر بھی یہ یاد دلانا چاہئے کہ یہ وہ چیز ہے جس کا ذکر دوبار اسی سورہ میں اہلِ کتاب پر مسلط کئے گئے عذاب کی حیثیت سے گزرا ہے۔ اور آلِ عمران (آیت ۱۰۳) میں اہلِ ایمان پر اللہ کے بہت خاص احسان کے طور پر یاد دلایا گیا ہے کہ اس نے تمہاری دیرینہ عداوتوں کو اُلفت ومحبت میں بدل کر تمھیں بھائی بھائی کر دیا۔ پس جو چیز بھی اس الفت ومحبت میں ادنیٰ خلل ڈالے وہ بلاشبہ ایسے گناہ کا کام، کہ مؤمن کو اس کے پاس بھی نہ پھٹکنا چاہئے۔ لیکن یہ تو صرف اتنا ہی نہیں کرتی بلکہ، فرمایا: وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۔۔۔ (یہ تو اللہ کی یاد اور اس کی فرض شکل نماز تک سے غافل کرنے والی چیز ہے۔ زندگی کے دوسرے فرائض تو الگ)۔ ظاہر ہے اس کے بعد تو کسی مؤمنِ صادق کے لئے اس کی گنجائش رہ نہیں جاتی تھی۔ اسی مفہوم میں فرمایا گیا: فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ؟ (اچھا تو اب تم باز آتے ہو؟

لمبی رعایت کے بعد تنبیہ کا سخت لہجہ

مزید تاکید میں ارشاد ہوا۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (دیکھو اطاعت اللہ ورسول کی کرو اور مخالفت سے ڈرو، اور جو تم نے روگردانی کی تو یاد رہے کہ ہمارے رسول کا کام بس پہنچا دینا تھا۔) اسی آیت کے بارے میں اوپر کہا گیا ہے کہ اس سے معاملہ کی شدت کا اظہار بہت واضح طور پر ہو رہا ہے۔ اوپر جو کچھ فرما دیا گیا وہ خود کچھ کم نہ تھا۔ خاص کر آخری جملہ (فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ؟) اس کا تیکھا پن ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ لیکن اس کے بعد یہ لہجہ بالکل صاف ناراضگی کا ہے جس میں ارشاد ہو رہا ہے۔ ''فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا ۔۔۔'' (اگر تم روگردانی کرتے ہو تو جانے رہو کہ۔۔۔)

اللہ اپنے کلام کے راز بہتر جانتا ہے۔ پر اس آخری موقع پر لہجہ کی اس شدت کی وجہ اگر یہ سمجھی جائے تو کچھ غلط نہ ہونی چاہئے کہ پہلی ہی بات جو سورۂ بقرہ میں فرمائی گئی وہ کافی ہو جانے والی تھی۔ مگر بجز حضرت عمرؓ جیسے حضرات کے عام طور پر ایسا نہیں ہوا۔ پھر دوسری بار نماز میں اس کی خلل اندازی کے حوالہ سے اتری آیت کا اشارہ بھی کام نہ کر سکا۔ تو ظاہر ہوا کہ یہ عادت بہت سخت لہجہ چاہتی ہے۔ اور اب وقت آ گیا کہ کسی کے لئے بھی ادنیٰ گنجائش کا موقع نہ رہنے دیا جائے۔ واللہ اعلم عنداللہ!

گزرے دنوں کی بات اُن کے ساتھ گئی

اس صاف اور شدید لہجہ کی ممانعت کا اثر یہ تھا کہ جب خبر عام ہوئی تو کسی کے منہ سے بھی اگر پیالہ لگا تھا تو دوسرے لمحہ وہ نہ تھا۔ اور مٹکوں اور صراحیوں میں دھری شراب مدینہ کی نالیوں میں بہہ رہی تھی۔ اور اسی کے ساتھ یہ سوال کہ اب تک جو ہوا خاص طور جو لوگ اس سے شغل کرتے ہوئے گزر گئے اور مغفرت طلبی کا بھی موقع ان کے لئے نہ رہا تو ان کا کیا ہوگا؟ آخری آیت: لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا ۔۔ اہلِ ایمان کی اسی بے کلی کا جواب ہے۔ اس میں ایک اصولی بات دوہرا تہرا کر فرما دی گئی ہے کہ جو کچھ بھی اس حالت میں کھایا پیا گیا ہے کہ ایمان تھا، نیک عملی تھی اور اللہ کا ڈر تھا۔ یعنی کوئی ایسی چیز نہیں کھا پی رہے تھے جس کو جانتے ہوں کہ منع ہے، تو اس میں کوئی گناہ کا سوال نہیں۔ پس اس صریح ممانعت سے پہلے جو شراب نوشی ہوئی اس پر کوئی گرفت نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ یہ لوگ اگر ایمان، عملِ صالح اور تقویٰ شعاری کا درجۂ کمال حاصل کئے ہوئے تھے (جو ''اِحسان'' کہلاتا ہے) تب تو کسی گرفت کا کیا سوال، یہ تو محبوبانِ حق میں ہوں گے، کہ 'محسنین'' سے اللہ محبت فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔

☆☆☆

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی مدظلہ☆

محفل قرآن (جلد سوم) کا مقدمہ

[محترم ناظرین الفرقان کو گذشتہ شمارے کے ذریعہ یہ خوش خبری مل چکی ہے کہ خانوادۂ نعمانی کے سرپرست حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہ کے تفسیری سلسلہ کی تیسری جلد جو سورۃ الانعام، الاعراف اور الانفال کی تفسیر وتشریح پر مشتمل ہے، شائع ہوچکی ہے۔ دوسری جلد کے مکمل ہوجانے کے بعد ۲۰۱۰ء میں ان کی صحت کا جو حال ہوگیا تھا، اس کی وجہ سے بظاہر حالات یہ امید کرنا مشکل تھا کہ اب اس کے آگے کا کام وہ کر پائیں گے —— لیکن کس زبان سے اللہ کا شکر ادا کیا جائے کہ تقریباً ایک سال شدید علالت کا سلسلہ جاری رہنے کے بعد اللہ نے انہیں ایسی صحت اور ہمّت سے نوازا کہ ۱۲-۲۰۱۱ء کے سال میں انہوں نے والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی سوانح کی تالیف کا سخت محنت طلب کام کر ڈالا، اور پھر نئے عزم ونشاط کے ساتھ ۱۳-۲۰۱۲ء میں محفل قرآن کی جلد سوم بھی تیار کردی۔

اس توفیق پر خود ان کے دل کے جو جذات وتأثرات ہیں ان کا کچھ اندازہ اس جلد سوم میں لکھے گئے اُن کے ''حرف آغاز'' کے ان جملوں سے کرنے کی کوشش کیجیے جو ''تحدیث نعمت'' کے طور پر ان کے قلم سے نہیں، دل کی گہرائیوں سے نکلے نظر آتے ہیں:

> ''اس کرم کو میں کیا کہوں؟ اپنا جو حال اپنے رب کے ساتھ معاملہ کا جانتا ہوں، اسکو دیکھتے ہوئے تو اپنی خواہش، اپنی آرزو کو یہ مقام نہیں دیا جاسکتا کہ وہ بارگاہ عالی میں ایسا بار پا گئی، ہاں یہ سوچا جاسکتا ہے کہ اس بے بساط کو اس مبارک کام پر جس نے ایک گونہ اصرار کے ساتھ آمادہ کیا تھا (یعنی میرے والد مرحوم حضرت مولانا محمد منظور نعمانی) اس کے کہے کی لاج رکھ کر میری مدد

☆ صدر شعبۂ تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

کا فیصلہ فرمادیا گیا۔ایسا فیصلہ کہ بظاہر بالکل قبر کے قریب سے لوٹ کر کلام مبارک کی مزید تین سورتوں (الانعام ،الاعراف اور الانفال) پر مشتمل ایک اور جلد محفل قرآن کی تیار کی جاسکے۔انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون (بیشک اس رب جلیل کی شان یہ ہے کہ وہ جب کوئی شئ بھی وجود میں لانا چاہتا ہے تو بس اس کا اتنا کہنا کافی ہوتا ہے کہ ہوجا - القرآن)

بہر حال اللہ کی توفیق پر ہمارا پورا خاندان بلکہ انشاء اللہ پوری علمی برادری رب کریم کی عنایت وتوفیق پر سراپا شکر وثنا ہے، اور دعا گو ہے کہ اللہ! اپنی نظر عنایت کو جاری رکھیئے گا، اور اپنے اس بندے کے قلم سے اپنے پاک کلام کی تفسیر وتشریح کے سلسلہ کو عافیت اور قبولیت کے ساتھ مکمل کروادیجئے گا کہ ہم جیسوں کو آپ کے کلام کو سمجھنے میں آسانی ہوجائے گی۔

یہ نوٹ طویل ہوگیا، معذرت خواہ ہوں، لیجئے اب آپ ذیل میں اصل مضمون پڑھئے جو ملک کے ممتاز عالم استاذ گرامی حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی مدظلہ نے محفل قرآن جلد سوم کے مقدمے کے طور پر لکھا ہے: ——— مدیر]

اللہ تعالی نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرما کر اسکی حفاظت کا بھی وعدہ فرمایا، اس وعدۂ حفاظت میں الفاظ اور معانی دونوں کی حفاظت شامل ہے، الفاظ کی حفاظت کے وعدہ کا مشاہدہ تو ہر علاقہ میں ہزاروں ہزار حفاظ کی شکل میں کیا جاسکتا ہے، اور معانی کی حفاظت کا وعدہ ان تراجم اور معانی کی شکل میں ہوا جو دنیا کے ہر خطے میں اور تقریباً ہر زبان میں موجود ملتا ہے، حتی کہ مہبطِ وحی سے ہزاروں میل دور برصغیر ہند میں سیکڑوں تفسیروں اور درجنوں تراجم کی شکل میں پایا جاتا ہے، اور یہ سلسلہ صدیوں سے جاری وساری ہے، یہاں تک کہ عین ہمارے زمانے میں متعدد قرآن مجید کے تراجم اور مختصر ومفصل تفسیریں معرض وجود میں آئیں جن سے عام طور پر اہل علم بلکہ پڑھے لکھے عوام بھی واقف ہیں، اللہ کے اس انعام کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہورہا ہے (اور خدا کرے آئندہ بھی ہوتا رہے) اور ایک سے ایک بڑھ کر مفید قرآنی خدمت سامنے آرہی ہے، ادھر چند سالوں سے ہمارے ملک ہی میں نہیں بلکہ عالمی سطح پر شہرت رکھنے والے ایک ممتاز ترین اور جید ترین صاحبِ نظر عالم دین مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہ العالی، جن کے قلم کی دھاک سارے برصغیر میں ہی نہیں بلکہ اس کے باہر بھی بیٹھی ہوئی ہے، اور جنہوں نے تمام ہی دینی موضوعات ومباحثات میں حصہ لیا، اور مناظرات حق وناحق کے درمیان

فاصل بنے، حتی سیاسی میدان میں بھی اشہب قلم دوڑایا اور اس کا لوہا منوایا، وہ اس مبارک میدان میں جلوہ افروز ہوکر قرآنی افادات میں مشغول ہوئے، زیر نظر محفل قرآن کے نام سے شائع ہونے والا مبارک سلسلہ جاری فرمایا جس کی اب تک دو جلدیں شائع ہوکر مقبول عام ہوچکی ہیں۔ تیسری جلد جو سورہ انعام و اعراف اور سورہ انفال پر مبنی ہے، اس کے شائع ہونے کی نوبت آگئی ہے جس پر کچھ اظہار خیال کی سعادت سے راقم حروف کو مترجم عالی وقار نے مشرف فرمایا، انہی کے تعمیل حکم میں یہ سطریں قلم بند کی جارہی ہیں، اس سلسلہ کی اصل قدر و قیمت کا اندازہ تو اس کے مطالعہ ہی سے ہوگا۔ لیکن یہاں پر چند نمایاں خوبیوں کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

(۱) قرآنی آیات اور سورتوں کے مابین ربط پر خصوصی توجہ دی گئی ہے بلکہ مفسر ممدوح کی تصریح کے مطابق اس عمل کے مبارک کام کا اصل محرک یہ ہوا کہ عام طور پر تراجم وتفاسیر (چند کو چھوڑ کر) اس پہلو کے کما حقہ بیان سے تقریباً خالی ہیں۔ (۲) ممدوح چونکہ وسیع النظر ذی بصیرت عالم ہیں اسی وجہ سے اب تک شائع اور دستیاب ہونے والی تفاسیر و تراجم کا گہرا مطالعہ کیا ہے، اس بنا پر ان تفسیری افادات میں وہ تمام خوبیاں اور خصوصیات جستہ جستہ مختصر طور پر سمو دی گئی ہیں جو تفسیر و تراجم کے عظیم ذخیرہ میں پھیلی ہوئی تھیں، گویا ''عطر مجموعہ'' کا مصداق ہوگیا، (۳) چونکہ ممدوح ہندوستانی زبانوں کے ساتھ انگریزی زبان پر بھی عبور رکھتے ہیں۔ اور عرصہ سے ان کی انگریزوں کے درمیان (انگلینڈ میں) بود و ماند ہے، اس لئے وہ نئے افکار و خیالات اور مغربی ریشہ دوانیوں سے بھی نہ صرف پوری طرح واقف ہیں بلکہ پوری عمران کے نقاد رہے اس لئے اِن تفسیری افادات میں بھی ان خیالات کا بھرپور ذکر ملتا ہے، بایں وجوہ یہ تفسیر عصر حاضر کے لوگوں کے لئے بہر طور مفید بلکہ غنیمت باردہ ہے، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اسے مفید سے مفید تر بنائے۔ تفسیر میں بعض جگہ قرآنی تعبیرات کی ایسی اچھوتی اور دل چھونے والی اردو میں ترجمانی کی گئی ہے کہ انسان کے ذوق ہی کو نہیں روح کو بھی بالیدگی حاصل ہوتی ہے اور فہم بہت آسان ہوجاتا ہے، مثلاً سورۃ انفال ہی کی آیت نمبر-۱۶ ''الا یہ کہ پینترا بازی کے طور پر ایسا کرتا ہو'' اسی طرح سورۃ انفال ہی کی آیت نمبر-۷ کا ترجمہ ''خواہ مجرموں پر بیت جائے جو کچھ بیتنی ہو'' بعض جگہ اشکالات کے جواب بھی دئے ہیں۔ مثلاً لوط علیہ السلام کے واقعہ میں کہ انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینے کے بجائے براہ راست اس عیب سے انہیں بچانے پر زور دیا جس میں وہ مبتلا تھے'' اس کی توجیہ کرتے ہوئے سورۃ اعراف آیت نمبر-۸۰ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اس مذکورہ تفصیل کو سامنے رکھ کر تو یہ مسئلہ شائد 'مسئلہ' ہی نہیں رہتا کہ لوط علیہ السلام کے کلام میں دعوت الی اللہ کے نام

کی کوئی چیز کیوں نہیں پائی جاتی؟ اس قماش کی قوم کو جس سے لوط علیہ السلام کا واسطہ تھا، دین و مذہب نام کی شئی سے سروکار ہی کیا رہا ہوگا کہ اس ضمن میں شرک اور توہمات کی راہ پر پڑی ہو، جس کی اصلاح کی جانی چاہئے تھی، جن لوگوں پر ہر وقت جن و بھوت کی طرح جنس (Sex) سوار ہے ان کو خدا یا شرکائے خدا کی سوچنے کا کہاں وقت؟ سورۃ انعام کی آیت نمبر-۷۶-۷۷-۷۸ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں، اور اس قرآنی ترتیب میں (کہ اول ستارہ، پھر چاند، پھر سورج) کھلی حکمت ہے کہ بات کم حیثیت والے وجود کی نفی سے شروع کر کے بتدریج آگے بڑھایا جائے کہ ستارہ ہی نہیں چاند بھی اور وہ جو سب سے بڑا یعنی آفتاب و نیّر تاباں ہے، وہ بھی لازماً ایک وقت پر اپنی آب و تاب کھو کر سرے سے غائب ہی ہوجاتا ہے یعنی ان میں سے ہر ایک، ہر دن یا رات اپنی جلوہ گری کے ساتھ ابھرتا اور پھر روبہ زوال ہوتا ہوا اسی انجام سے دوچار ہوتا ہے، اور تم رات دن یہ دیکھتے ہو اور پھر بھی انہیں کو کارساز اور قاضی الحاجات ٹھرائے ہوئے ہو! کیا دن رات کا یہ منظر اس بات کی گواہی نہیں، کہ کوئی بالاتر قوت ہے جس کے حکم سے یہ دن اور رات کا نظام اور چاند سورج کا طلوع و غروب بالکل ایک لگے بندھے انداز پر چل رہا ہے اور یہ کواکب و سیارے اسی نظام کے پرزے ہیں؟ یہ خودمختار قوتیں نہیں مجبور اور غلام اسامیاں ہیں''۔(۴) یہ اور اس کے علاوہ بہت سے پہلو ہیں جو پڑھنے اور اس کے مطالعہ سے ہی کھل سکتے ہیں جو مختصر بیان کرنے سے معلوم نہیں ہوسکتے کہ مختصر کے لئے بھی دفتر چاہیۓ۔

ان گذارشوں پر اپنی بات ختم کرتے ہوئے مکرر دعا ہے کہ یہ تفسیر مقبول سے مقبول تر ہو اور مفسر کی عمر میں کم از کم اتنی برکت ضرور ہو کہ اسے پورا کرسکیں، تعجب تھا کہ اب تک اس موضوع پر انکا قلم کیوں نہ اٹھا اب وہ تعجب ختم ہوا، حالانکہ توقع یہ تھی کہ وہ بہت پہلے اس موضوع پر قلم اٹھائیں گے ''کل امر مرھون باوقاتہ'' کے تحت اب اسکی نوبت آئی، واللہ متم نورہ۔ اخیر میں یہ عرض کردینا بھی غیر ضروری نہ ہوگا کہ قرآن مجید چونکہ اللہ کا کلام ہے اس لئے اس کی تفسیر کا پورا حق ادا کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں بلکہ غالباً خداوند تعالی کا یہ تکوینی فیصلہ ہے کہ ہر تفسیر میں کچھ نہ کچھ خلا رہے۔ اس بات کو کسی مبصر عالم نے کیا بلیغ انداز میں بیان کیا ہے، فرماتے ہیں: **العلوم ثلاثہ علم نضج و احترق...... و علم لا نضج و لا احترق و ھو علم البیان و التفسیر**، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر پر کرنے کا کام بہت باقی ہے، اس روایت کے ناقل علّامہ شامیؒ نے اس کے تکوینی ہونے کا اشارہ کیا ہے، علّامہ شامی نے متن کے طور پر ردالمختار کے حاشیہ پر یہ عبارت نقل فرمائی ہے۔

☆☆☆

حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم

بچوں کی پرورش

(نفسیاتی پہلو کا خیال)

حمد وصلوٰۃ اور تعوذ وبسملہ کے بعد!

رب ھب لی من الصالحین

بچوں کے نفسیاتی مسائل

بچوں کی پرورش کے بارے میں ہمارے بہت سارے Major (اہم) عنوانات مکمل ہوگئے، آج کا عنوان ہے ''بچوں کے نفسیاتی مسائل'' اللہ رب العزت نے انسان کو دو نعمتوں سے نوازا ہے، ایک دل اور دوسرا دماغ، یہ دونوں نعمتیں ماں کے پیٹ میں کام کرنا شروع کر دیتی ہیں، دل بھی ماں کے پیٹ میں کام کرنا شروع کر دیتا ہے، بچے کی Heartbeat (دل کی دھڑکن) سنی جاسکتی ہے اور دماغ بھی کام کرنا شروع کر دیتا ہے، اسی لئے جب بچے کی Birth (پیدائش) ہوتی ہے تو ڈاکٹر بیٹری کا بٹن دبا کر اس کے دماغ کو نہیں چلاتا، دماغ پہلے سے کام کے لئے تیار رہتا ہے۔ جیسے بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے، روتا ہے، ہاتھ ہلاتا ہے، پاؤں چلاتا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا دماغ پہلے سے یہی کام کر رہا تھا، بچے کے دماغ کو تیز کرنے کی جو نوعیت ہے اس کے بارے میں دنیا بہت کم جانتی ہے۔ سائنس کی ریسرچ نے بہت ساری چیزوں سے پردہ ہٹایا، چنانچہ آج ذہن کے بارے میں چند باتیں سن لیجئے تاکہ بچے کے ذہن کو سمجھنا آسان ہو۔ سائنسدان اس نتیجے پر پہونچے کہ Babies are smarter than we think بچے ہمارے تصور وگمان سے زیادہ ذہین ہوتے ہیں، وہ بولنے سے پہلے 100 الفاظ سمجھنے لگتے ہیں اندازہ لگائیے کہ بچے کا ذہن کتنی تیزی سے کام کرتا ہے، تین سال کی عمر میں ان کی قوت حافظہ ہمارے تصور سے زیادہ تیز ہوجاتی ہے، اس لئے بچے کا ذہن

بہت جلدی چیزوں کو سیکھتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ ہم اس کو نہ سمجھ سکیں، چنانچہ ایک ڈاکٹر اپنے گھر سے پریشان تھا، اس نے بچے کے ذہن پر ریسرچ کی تو اس نے آخری نتیجہ یہ لکھا کہ بچے کا دماغ ایک بڑی نعمت ہے دوسرا یہ کہ چوبیس گھنٹے پورے جسم کے اعضاء کو سگنل دیتا اور لیتا بھی رہتا ہے، اور تیسری بات اس نے یہ لکھی کہ پیدائش سے لے کر شادی تک کام کرتا ہے۔ چار سال سے پہلے پہلے بچے کا ذہن بہت تیزی سے پھیلتا ہے kindergarten (اسکول سے پہلے کی تربیت گاہ اطفال) سے پہلے اسکا دماغ 90 فیصد بڑے آدمی کے دماغ کے حجم کے برابر ہو جاتا ہے There is a special window of learning بچہ کی پرورش میں ایک وقت ایسا آتا ہے کہ بچہ فطری طور پر سیکھنے کو پسند کرتا ہے جسکی وجہ سے کرسیوں کو گننا، چیزوں کو تولنا، اور گاڑی چلانے کی کوشش کرنا اسے اچھا لگتا ہے۔ تحقیق نے یہ ظاہر کیا کہ تین سال تک بچے اپنے بولنے کے لئے درکار الفاظ سیکھ چکے ہوتے ہیں، بچے چیز کو ہاتھوں میں لے کر، منہ میں ڈال کر، نیچے گرا کر سیکھتے ہیں، کبھی ماں کہنے لگے میں یہ کام کر دیتی ہوں تو بچی آ کر کہے گی (حنانہ خود) کہ اس کام کو میں خود کرتی ہوں تو وہ بچے کے سیکھنے کی کھڑکی کھلی ہوتی ہے جس میں بچہ خود سیکھنا چاہتا ہے۔ بچوں پر تحقیق کرنے والے سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ پیدائش سے لے کے چھ سال کی عمر تک بچے کے دماغ کی وائرنگ چلتی رہتی ہے چھ سال میں مکمل ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ زمانہ بہت اہم ہے۔ اور اگلی بات یہ ہے کہ بچے کو اس عمر میں نادان سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا ہے، والدین کی یہ غلطی ہے کہ وہ بچے کو بات کا صحیح جواب نہیں دیتے، کئی مرتبہ تو ماں کاموں میں مصروف ہونے کی وجہ سے بات ہی نہیں سنتی، بچہ بولنے لگتا ہے، چپ کروا دیتی ہے چنانچہ کھانا کھاتے ہوئے ایک بچے نے کہا امی! امی! امی! تو ماں نے غصے سے ڈانٹا کیا ہر وقت بولتے رہتے ہو چپ رہو اور جب کھانا کھالیا تو ماں کہنے لگی اب بتاؤ کیا بات ہے اس نے کہا جو دال آپ کھا رہی تھیں اس میں مکھی تھی۔ بچے بہت Logical (منطقی) ہوتے ہیں اور مائیں ان کو کئی مرتبہ بہت Illogical (غیر منطقی) جواب دے دیتی ہیں۔ بچے سہم جاتے ہیں، ڈر جاتے ہیں، چپ ہو جاتے ہیں مگر وہ مطمئن نہیں ہوتے، ان کا ذہن تیز کمپیوٹر کی طرح کام کرتا ہے چنانچہ ایک بچے نے بہن سے پوچھا آپی یہ بارش کا پانی کہاں جاتا ہے؟ وہ غصے میں تھیں اس نے کہا میرے سر میں، اس نے کہا اچھا! اسی لئے آپ کو ہر وقت نزلہ رہتا ہے۔ بچے نے اپنی ماں سے پوچھا امی! ابو کے سر پر بال کیوں نہیں ہیں؟ تو ماں نے کہا بیٹا! جو لوگ ذہین ہوتے ہیں، بلند باتیں سوچتے ہیں تو ان کے سر کے بال گر جاتے ہیں تو بچے نے کہا امی! آپ کے سر پر اتنے زیادہ بال کیوں ہیں؟ ایک بچے نے اپنی ماں

کے سر میں دو تین سفید بال دیکھے تو اس نے کہا امی ! یہ آپ کے سر میں دو تین بال سفید کیوں ہیں؟ اس نے کہا دیکھو بچہ جب بھی تنگ کرتا ہے نا اپنی ممی کو تو اس کے سر کا بال سفید ہو جاتا ہے، اس نے کہا کہ پھر یہ بتائیں کہ نانا کا سارا سر سفید کیوں ہے؟

بچوں کی نفسیات اور سائنسی تحقیق

چند باتیں جس کو سائنس نے ثابت کر دیا وہ آپ لکھ لیجئے ! جس بچے کا مذاق اڑایا جاتا ہے وہ بچہ بزدل بن جاتا ہے۔ جس بچے کو مار پیٹ کی جاتی ہے اس کی صلاحیتیں دب جاتی ہیں، دماغی پرورش رک جاتی ہے ۔جس بچے پر اعتماد نہ کیا جائے وہ بچہ دھوکہ باز بن جاتا ہے، جس بچے پر بہت تنقید کی جائے وہ کوشش کرنی ہی چھوڑ دیتا ہے۔ جس بچے کی تعریف نہیں کی جاتی وہ بچہ اچھی چیزیں پسند کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اب دیکھئے کہ یہ جتنا حسّاس معاملہ ہے اتنا ہی مائیں بچے کی اس حالت سے بے بہرہ ہوتی ہیں۔ جس طرح بچے کے لئے کھانا ضروری ہے اسی طرح اس کے ذہن کی پرورش کے لئے محبت بھری نگاہ سے دیکھنا، مسکرانا، گود میں لینا اور ان کو گلے سے لگانا یہ بھی اسی طرح ضروری ہے اسی لئے سائنس نے ثابت کیا کہ جو یتیم بچے ہوتے ہیں جب ان کے دماغ کا Scan (جائزہ اور معائنہ کیا جاتا ہے) تو ان کے دماغ کا ایک حصہ پرورش ہی نہیں پاتا۔ اب سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ کہ جو شخص یتیم بچے کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھتا ہے اس کے نیچے جتنے بال ہوتے ہیں اللہ اتنی نیکیاں نامۂ اعمال میں رکھ دیتے ہیں۔

چھوٹے بچے بچپن سے ہی دوسرے کی نیت کو پہچان لیتے ہیں، یہ خوشی سے بات کر رہا ہے، وہ ہنس کر بات کر رہا ہے یا یہ ناراض ہو کر بات کر رہا ہے۔ فرانس کے لوگ کہتے ہیں کہ بچے کے سامنے Calmness (پرسکون اور مطمئن) رکھو تو بچے کے اندر صبر پیدا ہوتا ہے اور ایک اہم بات یہ کہ جب بچے کے اندر ذہنی دباؤ ہوتا ہے تو یہ دباؤ Cartisol hormone (مادّہ) پیدا کرتا ہے اور یہ مادّہ دماغی پرورش کو روک دیتا ہے اس لئے چھوٹا بچہ جب بھی دباؤ میں ہوگا اس کے اثر کے نتیجہ میں اس کے دماغ کی نشوونما آہستہ ہو جائے گی۔ اور بچیوں کے بولنے کی جو دماغی وائرنگ ہے یہ ڈبل ہوتی ہیں بہ نسبت مردوں کے، اس لئے طبعاً مرد کم بولتے ہیں، اور طبعاً عورتیں بہت بولنا پسند کرتی ہیں۔ ان کے پاس ہر بات کا جواب ہوتا ہے۔ ایک خاوند نے بیوی سے کہا؛ کہ میں تمہاری روز روز کی فرمائشوں سے تنگ آ گیا ہوں، میں خودکشی کرنے جا رہا ہوں۔ کہنے لگی اچھا پھر دو تین سوٹ تو خرید دو میں عدت کے دنوں میں پہن لوں گی۔ خاوند نے کہا تم بہت خوبصورت ہو، لاکھوں میں ایک ہو، مگر تم

جھوٹ بہت بولتی ہو، کہنے لگی کیا کروں سہیلیوں کے سامنے تمہاری تعریف کرنی ہی پڑتی ہے[1]۔تو ان کے پاس ہر بات کا جواب ہوتا ہے، اس لئے کہ ان کی وائرنگ ڈبل ہوتی ہے۔

بچوں کے اندر Copy (نقل) کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت ہوتی ہے

۲۰۰۶ میں ایک نئی تحقیق سامنے آئی جس نے دنیا کو حیران کردیا۔وہ یہ تھی کہ بچے کے ذہن میں Mirror neurons (آئینہ دار عصبی خلیہ) ہوتے ہیں تو خلیے جو بات سنتے ہیں اس کو کاپی کرلیتے ہیں، جیسے آپ کاغذ کی ایک فوٹو کاپی کرلیتی ہیں تو ایک لمحہ میں اس کی کاپی بن جاتی ہے، بچوں کے ذہن میں، دماغ میں Mirror neurons بات کرنے والے کی بات کو فوراً اسی طرح کاپی کرلیتے ہیں۔تو بچے ہماری طرح سیکھ سکتے ہیں اس کو Mirror learning کہتے ہیں، ہمیں اس کا تجربہ ہوا کہ (ہمارے پوتے) محمد سرمد سے بہت عرصے کے بعد ملاقات ہوئی تو ہم نے ایک لوری بنائی، اب سب کے درمیان بیٹھ کے میں نے اس کو سنائی۔

محمد سرمد بچہ ہے　　بات کا بالکل سچا ہے
محمد سرمد پیارا ہے　　میری آنکھ کا تارا ہے
دیکھو میرے رب کی شان　　محمد سرمد میری جان

جیسے ہی میں نے ختم کیا، محمد ثرمد نے فوراً اس کو Reproduce کیا اور کہا۔

دادا ابو بچے ہیں　　بات کے بالکل سچے ہیں
دادا ابو پیارے ہیں　　میری آنکھ کے تارے ہیں
دیکھو میرے رب کی شان　　دادا ابو میری جان

ہم حیران ہوگئے کہ اتنا چھوٹا بچہ اس کو فقرہ بنانا اور بدلنا بھی آگیا اور اس کو یاد بھی ہوگیا، اللہ اکبر کبیرا۔تو اس سے اندازہ ہوا کہ بچے میں سیکھنے کی جو صلاحیت ہے وہ آئینہ کی طرح ہوتی ہے It proves that TV is not for kids (اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ بچوں کے لئے ٹی وی اچھی چیز نہیں ہے) اسلئے کہ جب بیہودہ اور بیکار چیزیں اس کے دماغ میں داخل ہوں گی تو وہی چیزیں بچے سے ظاہر بھی ہوں گی، چنانچہ ایک ماہر نفسیات ''Halley'' کا کہنا ہے کہ دسیوں تحقیقاتی ریسرچ کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ سات سال کی عمر تک کے بچوں پر جو چیز سب سے زیادہ منفی طور پر اثر انداز ہوتی ہے وہ کمپیوٹر ہے، امریکہ میں بچوں کی نفسیات کے ماہرین کی کمیٹی نے یہ صلاح دی ہے کہ دو سال کی عمر کے بچوں کو کسی قسم کی چیز ٹی وی، کمپیوٹر، موبائل، لیپ ٹاپ

[1] اس ظریفانہ طرز گفتگو سے حضرت کے مزاج اور مشفقانہ اخلاق کا کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

وغیرہ پر نہ دکھایا جائے، اس سے اندازہ لگائیے کہ اس وقت بچے کے ذہن میں کتنا کچھ بالراست جاتا ہے اب یہاں ایک نکتہ کی بات سمجھئے، وہ یہ ہے کہ جو نوجوان اسلامی ملکوں سے جاتے ہیں اور باہر ملکوں کی عریانی زندگی دیکھتے ہیں تو وہ بہت جلدی راستے سے ہٹ جاتے ہیں ۔وہ برے تعلقات میں گھر جاتے ہیں، سور بھی کھانا شروع کر دیتے ہیں، شراب بھی پینا شروع کر دیتے ہیں کلب میں ڈانس بھی کرنا شروع کر دیتے ہیں زندگی کو وہ بہت کچھ بدل دیتے ہیں، مگر اتنی غفلت والی زندگی گزارنے کے باوجود ہم نے دیکھا کہ ان کے دل میں ایمان کی چنگاری ہوتی ضرور ہے، گو وہ کسی کو پتہ چلنے نہ دیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ امریکہ میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی تو میں نے پوچھا کہ نام کیا ہے؟ کہنے لگا Mo میں نے کہا Mo کا کیا مطلب؟ نام تو ماں باپ نے محمد رکھا تھا، لیکن یہاں آکر چونکہ میں بہت گندے کاموں میں پڑ گیا، تو میرے اردگرد کافر لڑکے لڑکیاں رہتی ہیں تو وہ میرے نام کو سن کے ہنستی تھیں تو میں نے محمد کے بجائے Mo کہلوانا شروع کر دیا تاکہ پتہ نہ چلے کہ مسلمان ہوں یا کافر۔ اب بتائیں جو بندہ اس حد تک گر گیا ہر گندہ کام وہ کرتا ہے مگر مجھے وہ کہنے لگا کہ اس دوران بھی میرا اللہ پر، دین پر، نبیؐ پر ایمان پکار رہا، تو اس پر میں نے بہت سوچا کہ آخر ہر چیز یہ لٹا بیٹھتے ہیں مگر دین پر رہتے ہیں اسکو نہیں چھوڑتے، تب بات سمجھ میں آئی، کہ دین انہوں نے اپنے بچپن میں ماں کی گود میں سیکھا تھا، وہ تصور اللہ کا ان کی رگوں میں ہوتا ہے یہ جتنے بھی برے ماحول میں چلے جائیں، اللہ پر ایمان نہیں چھوڑتے، اعمال، عادات بڑے ہو کر اپناتے ہیں ان کو جلدی چھوڑ دیتے ہیں۔

بچپن میں سیکھی ہوئی بات پچپن میں بھی محفوظ رہتی ہے

ایک ڈاکٹر نے کہا کہ بچپن کی بات پچپن میں بھی نہیں جاتی، تو جو باتیں، جو چیزیں بچے کی اس بچپن کی عمر میں ذہن میں ڈال دی جاتی ہیں وہ پوری زندگی اس بندے کے ساتھ رہتی ہیں وہ ختم نہیں ہوتیں۔ بچے Molten metal (پگھلی ہوئی دھات) کی طرح ہوتے ہیں وہ اپنے ماں باپ کی نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ سائنس نے یہ ثابت کیا کہ تین سال کی عمر سے پہلے پہلے Reading (پڑھنے) سے زیادہ Talking (بولنا) بچے کو زیادہ فائدہ دیتا ہے، یعنی مائیں بولیں، بتائیں، اسلئے ہمارے بزرگ جو بچوں کو سلانے کے لئے لوریاں بناتے تھے تو وہ بنیادی طور پر ایک پیغام دیتے تھے "حسبی ربی جل اللہ مافی قلبی غیر اللہ" یہ ایک پیغام بچے میں بھیجتا ہے اور بچہ اس عمر میں لوری سن کے خوش بھی ہوتا ہے اور اس کے ذہن میں ایک پیغام بھی پکا محفوظ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ہر ماں کو چاہئے کہ کوئی نہ کوئی لوری یاد کر کے بچے کے سامنے پڑھا کرے سونے کے وقت، اگر آپ بنانے لگیں گی تو بہت اچھی اچھی لوریاں بنالیں گی۔ آٹھ مہینے سے لے کے تین سال

کی عمر تک یہ لوریاں بچے کے دماغ میں اچھی طرح بیٹھ جاتی ہیں ۔ چنانچہ چند لوریاں ہم آپ کو اس لئے سنا دیتے ہیں کہ آپ کے سامنے مثال ہو اور پھر ان کے مطابق آپ خود بھی لوریاں بنا سکیں

میں بہادر اور طاقتور ''سرمد'' ہوں	I am Sarmad brave and strong
آپ میری نظم سننے آیئے	Come you listen to my song
میں اللہ سے تمام عمر محبت کرونگا	Will love Allah all life long
کبھی بھی غلط کام نہیں کرونگا	Never ever will do wrong

اب جب بچے کے سامنے آپ پڑھیں گی تو اس کو پیغام ملے گا کہ میں زندگی میں کوئی خراب کام نہیں کروں گا اور ساری زندگی میں اللہ سے محبت کروں گا۔

ایک اور ہے ۔

پیاری حنا نہ پیاری حنا نہ	اللہ پاک کو خوب منانا
سب سے پیار کرنے والی	اللہ پاک سے ڈرنے والی
سیدھی سیدھی جنت جانا	پیاری حنا نہ پیاری حنا نہ

تو ان لوریوں سے، بچے کے دل و دماغ میں دین بیٹھتا ہے۔ اللہ کا تصور، اللہ رب العزت کے ساتھ محبت، یہ ہم بٹھا رہے ہوتے ہیں اس لئے اس کی طرف مائیں ضرور توجہ کریں ۔ یوروپ کے جتنے بھی ممالک ہیں ان میں Finland کے بچے حساب میں سب سے زیادہ اچھے ہوتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ وہ لوگ سات سال کی عمر سے رسمی طور پر سیکھنا شروع کرتے ہیں، وہ سات سال میں اسکول جاتے ہیں، جب ان کے ذہن کی وائرنگ پوری مکمل ہو چکی ہوتی ہے۔ جرمن میں پبلک اسکول کے ہزاروں بچوں پر تحقیق کی گئی۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ سات سال میں اسکول میں تعلیم شروع کرنے والے بہتر تھے ان بچوں سے جنہوں نے پانچ سال میں باضابطہ تعلیم کی ابتدا کی، یعنی جن بچوں نے سات سال میں پڑھنا شروع کیا وہ بچے تعلیم میں بہت آگے نکل گئے بہ نسبت ان بچوں کے جنہوں نے پانچ سال میں پڑھنا شروع کیا تھا، چونکہ بچہ پر دباؤ پڑتا ہے اور اس کے دماغ کی نشونما رک جاتی ہے۔ Albert Einstein سے ایک ماں نے پوچھا تھا کہ میرا بچہ حساب میں کس طرح بہتر ہو سکتا ہے اس نے جواب دیا تھا کہ بچے کو کہانیاں سناؤ وہ عقل مند اور ذہین ہو جائے گا تو پھر کسی نے پوچھا کہ کہانیاں سنانے سے یہ عقلمند کیسے بنے گا؟ اس نے کہا حقیقت یہ ہے کہ جب کہانی سنائی جاتی ہے تو بچے کا ذہن اس پر سوچتا رہتا ہے، اس میں Thinking (سوچ) کا Process (عمل) شروع ہو جاتا ہے ۔ اور

سائنسدان وہی ہوتا ہے جس کو سوچنا آتا ہو۔ چنانچہ بچہ کی ہر چیز کو Playful (تفریحی) بنائیں اور ہر ہر چیز میں کہانی سنا کر بچے سے کام کروائیں۔ ایک چار سالہ بچہ اپنے پیشاب پر کنٹرول نہیں کر پاتا تھا، انگریزوں میں تو کھڑے ہوکر کرتے ہیں اب اس کے باپ نے اس کو کہا کہ دیکھو Water fall (جھرنے) کو سیدھا Commode (مغربی طرز کا بیت الخلاء) میں گراؤ، بس اس لفظ کے استعمال کرنے کے بعد بچے نے پیشاب کے قطروں کو کبھی باہر نہیں گرنے دیا۔ لوگ بہت سی اقسام کے قصے بناتے ہیں اور ہمارے پاس تو قصوں کا خزانہ ہے۔ ایک بچہ نہاتے وقت شیمپو لگانے سے گھبراتا تھا، ایک دن ماں نے اس کو قصہ سنایا کہ دیکھو ایک بھالو تھا اس کے بڑے بڑے بال تھے، وہ گندے ہو گئے تو ماما نے اس کو شیمپو لاکر دیا جب بھالو شیمپو سے نہایا تو اس کے بال بہت خوبصورت ہو گئے۔ اب قصہ سننے کے بعد بچے نے ہمیشہ شیمپو سے نہانا شروع کر دیا، بچے چھوٹے ہوتے ہیں۔ وہ قصوں سے جلدی سیکھ لیتے ہیں، اور قصہ سنانے کے بعد بچے کے تاثرات بھی سنیں بہت سارے قصے ہیں جو بچے کو سنائے جاسکتے ہیں مگر قصّے سنانے میں چند باتوں کا خیال رکھیں، پہلے چھوٹے چھوٹے قصّے سنائیں بعد میں بڑے سنائیں، ضروری نہیں کہ ایک قسم کے قصے سنائیں بلکہ سنجیدہ ومزاحیہ، علاقائی وعالمی، عمومی وخصوصی، حقیقی وافسانوی ہر طرح کے قصے سنائے جاسکتے ہیں،

ہمارے پاس جنت اور جہنم کا اتنا پیارا تصور ہے کہ جتنا چاہے بچے کو بتائیں، بچے کے اندر تفکر کا عمل شروع ہو جائے گا۔ اور ہم نے تجربہ کیا کہ بچے سوچتے رہتے ہیں، ان کے بارے میں ماں باپ اس کو اہمیت نہیں دیتے۔ ہمیں پتہ اس طرح چلا کہ ابھی رمضان میں ہم مدینہ طیبہ میں تھے، تو حنانہ کسی بات پر اپنی پھوپھی سے ناراض ہوگئی تو حنانہ نے کہا کہ پھوپھو میں حضور پاک سے آپ کی شکایت کروں گی، اس نے کہا کیوں کروگی ؟ بس میں کروں گی، کیا کروگی؟ حضور پاک آپ کو پانی بھی نہیں دیں گے، اس نے کہا اچھا میں خود زمزم بھر کے پی لوں گی، کہنے لگی نہیں وہ پانی جو قیامت کے دن حضور سب کو دیں گے، وہ آپ کو نہیں دیں گے، تب بات سمجھ میں آئی کہ بچی کے ذہن میں قیامت کے دن، نبی علیہ السلام جو آب کوثر عطا فرمائیں گے اس کا تصور موجود تھا۔ تو ہم اندازہ نہیں لگاتے کہ ان واقعات ''قصص الاکابر، قصص الانبیاء کو سنانے کا بچے کے ذہن پر کتنا اثر ہوتا ہے۔

انسانی ذہن کے دو حصے ہوتے ہیں

اب ذرا Child brain (بچے کے ذہن) کے بارے میں مزید چند باتیں سن لیجئے تاکہ میں اپنی

بات کو مقصد تک پہنچاؤں ۔انسان کے ذہن کے دو حصے ہوتے ہیں:Two Hemispheres جو بچے کی left side(بائیں جانب) ہوتا ہے، وہ محبت کرتا ہے، اور کسی چیز کی تمنّا کرتا ہے، بچے کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ مجھ سے کوئی بڑا کام کہیں اور میں اس پر عمل کروں اور وہ چاہتا ہے کہ ماں باپ کام کی فہرست دے دیں اور میں کر کے دکھادوں، اسی طرح وہ بات کی باریکیوں تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے چنانچہ آپ جب اس سے بات کریں گی تو وہ بات کی باریکی تک جائے گا۔اور اسی طرح Right side(دائیں جانب) کا brain ہے جس میں اچانک خیالات آجاتے ہیں وہ دماغ کے دائیں جانب کا عمل ہوتا ہے۔جس طرح جسم کی نشو نما کے لئے کھانے پینے کی ضرورت ہے اسی طرح انسان کو دماغ کی نشونما کے لئے خوراک کی ضرورت ہوتی ہے، اس بات کو لکھ لیجئے کہ ہر بچے کو سات چیزیں چاہئیں تا کہ اس کے دماغ کی ٹھیک طریقہ سے نشونما ہو سکے۔

پہلی چیز Attention(توجہ) اس کو ماں باپ کی توجہ چاہئے، جب تک ماں باپ توجہ نہیں دیں گے بچہ کی نشو نما صحیح نہیں ہوگی دوسری چیز Acceptance(قبولیت) کہ بچہ یہ محسوس کرے کہ مجھے گھر میں قبول کیا جاتا ہے ۔تیسری چیز Respect(عزت) بچہ محسوس کرے کہ مجھے گھر میں عزت ملتی ہے۔چوتھی چیز Blonging کہ بچہ اپنے آپ کو خاندان کا فرد سمجھے اپنے آپ کو الگ تھلگ محسوس نہ کرے۔

پانچواں Love(محبت) بچے کو کسی کی جانب سے محبت کئے جانے کے احساس کی ضرورت ہوتی ہے چھٹا Achievement کہ بچے کو چھوٹے چھوٹے ایسے کام دیئے جائیں جس کو وہ کرے اور اس کے اندر ایک خوشی آئے کہ میں نے کام کو مکمل کرلیا، یہ چھوٹے چھوٹے کام کی جو خوشیاں ہیں یہ بچے میں اعتماد پیدا کر دیتی ہیں۔ساتویں چیز Friendship کہ بچہ کو دوستی کی بھی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا گھر کے رشتہ داروں کے جو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان کے ساتھ اس کا ملنا، بیٹھنا، کھیلنا، یہ بھی ذہنی نشونما کے لئے ایک لازمی جز ہے، اگر دماغ کو یہ ساری چیزیں نہ ملیں تو دماغ کے اندر کوتاہی اور کمی رہ جاتی ہے اور اس کو Behavioural Disorder (برتاؤ اور سلوک کی ابتری و پراگندگی) کہتے ہیں، اس سے انسان کا منفی برتاؤ ہے، اس کی کئی وجوہات ہوتی ہیں یہ عمر، خاندانی اور تربیتی پس منظر، ضروریات زندگی جیسے اچھی صحبت، خاندان، اسکول و مدرسہ ،اطراف کا ماحول اور اس کا ماضی ان تمام چیزوں سے اس کی شخصیت متأثر ہوتی ہے۔

بچوں کے ساتھ مثبت پہلو اختیار کریں

چنانچہ بچے کو اگر آپ چاہتی ہیں کہ اس کا ذہن زیادہ نشو نما پائے تو عام طور پر آپ

No کے بجائے Yes کہیں یہ بہت اہم نکتہ ہے مثلاً بچے نے مٹھائی مانگی، یہ نہ کہیں ابھی نہیں دوں گی، بلکہ یہ کہیں کہ دوں گی مگر کھانے کے بعد، یا میں فلاں وقت آپ کو دوں گی۔ دیکھئے! بات آپ وہی کر رہی ہیں مگر No کے بجائے Yes کہہ رہی ہیں۔ سائنسدانوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ بچے کو ایک مرتبہ اگر ماں No کہے تو اس کے بدلہ کے لئے تین سے پانچ مرتبہ Yes کہنا ضروری ہے تب بچے کا دماغ معتدل ہوگا ورنہ اس کے دماغ میں No کا اثر بیٹھ جائے گا وہ Rejection (مسترد کرنا) محسوس کرے گا۔ اب مائیں ذرا غور کریں کہ پورے دن میں بچے کو کتنا N o کہتی ہیں ہر بات پر N o ہر بات پر N o تو غلطیاں ہم کرتے ہیں؛ پھر بچے کا ذہن نشو نما نہیں پاتا اور بڑا ہو کر جب بچہ ذہنی مریض بن جاتا ہے پھر ہم کہتے ہیں کہ جی دعا کرو ہمارے بچے کے کچھ بیماری کا مسئلہ بنا ہوا ہے، اصل میں بچے کو اس کی ماں ہی نفسیاتی مریض بناتی ہے۔ اور خاص طور پر جب بچہ Teenage (۱۲ سے ۱۹ سال تک کی عمر) میں پہنچ جاتا ہے تو اس عمر میں بچے کے اندر طاقت بھی آجاتی ہے Will Power (قوت ارادی) بھی پہلے سے زیادہ طاقت ور ہوتی ہے اس عمر میں اگر بچے کے دماغ کے اندر کچھ کمی ہو تو پھر وہ Extreme (انتہاء پسندانہ) کام کر دیتا ہے۔ اعداد شمار یہ بتاتے ہیں کہ دنیا کے جو بڑے بڑے جرائم ہوتے ہیں وہ چودہ سال سے لے کے چوبیس سال کی عمر تک ہوتے ہیں، کسی کو قتل کرنا، بینک میں ڈاکہ ڈالنا اور اس قسم کے جو الٹے سیدھے کام ہوتے ہیں یہ سارے چودہ سے لے کے چوبیس سال کی عمر میں ہوتے ہیں۔ سائنس نے یہ لکھا کہ دنیا میں جتنی لڑکیاں گھر چھوڑ کر بھاگ جاتی ہیں ان کی عمریں چودہ سے چوبیس کے درمیان ہوتی ہیں۔ دنیا میں جتنے لوگ خودکشی کرتے ہیں ان میں اکثر کی عمریں چودہ سے چوبیس ہوتی ہیں یہ نوجوانی کی عمر ہے یہ بڑی حسّاس ہے اور یہ جتنی حسّاس ہے اتنا ہی ماں باپ کو اس کا پتہ نہیں ہوتا۔ لیکن یہ بچے جب اپنی مرضی کے مطابق چیز کو نہیں دیکھتے تو پھر یہ Acute depression (سخت اداسی) کا شکار ہو جاتے ہیں۔

بچے خودکشی کیوں کرتے ہیں؟ اس کی چند علامات

اب اس Acute depression کی چند علامتیں سن لیجئے (۱) اسکول کے مسائل (۲) گھر سے بھاگ جانا (۳) نشہ کی حالت (۴) Low self esteem (۵) انٹرنیٹ کی لت (۶) Reckless driving (بے تحاشا ڈرائیونگ (۷) قانون کو توڑ کر خوش ہونا (۸) بڑوں کی بات نہ مان کے جیت کا اظہار کرنا بڑوں کو نیچا دیکھا کر کر اپنی جیت کا اظہار کرنا، یہ بچے چونکہ جذباتی ہوتے ہیں اور ان کی Extreme سوچ ہوتی

ہیں یہ بات بات پر خودکشی پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔

اب چند علامتیں بیان کی جاتی ہیں جن سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ بچہ خودکشی کرنے پر آمادہ تو نہیں ہے ،پہلی علامت: یہ بچہ جب بات کرے گا یا کسی سے مذاق کرے گا تو اسی کی طرف اشارہ کرے گا مثلاً ''مرجاؤں تو زیادہ بہتر ہے'' یا ''اچھا ہے میں کہیں غائب ہوجاؤں'' یا ''امی! میرے مسئلوں کا کوئی حل نہیں'' یہ جو فکریں ہیں یہ بتارہی ہیں کہ یہ بچہ کسی مشن پر ہے، اسی طرح بہن سے کہے گا ''میں مروں گا تو آپ خوب یاد کریں گی'' دوسری علامت: موت کے بارے میں کوئی شاعری یا کوئی قصہ لکھے گا ،اس کی ڈرائیونگ Reckless (لاپرواہ) ہوگی تاکہ یہ ایکسیڈنٹ کرسکے ۔اس کے پاس بہت پیارے تحفے یا اسکول میں جیتے ہوئے انعامات ہوں گے،اوراس قسم کی تمام چیزیں جو پوری زندگی کا سرمایہ ہوتی ہیں ان کو بھی یہ دوسروں کے سپرد کردے گا جیسے اس کو اس کی کوئی ضرورت ہی نہیں ،اتنا زیادہ زندگی سے مایوس ہوجائے گا، پھر ملتے وقت یا رخصت ہوتے ہوئے ماں باپ سے اس طرح سے ملاقات کرے گا جیسے ہمیشہ کے لئے جارہا ہو، دوستوں سے بھی کہے گا کہ ہوسکتا ہے کہ آئندہ ہماری ملاقات نہ ہو۔ یہ علامات ہیں۔ پھر ایسا بچہ عام طور پر جو زہریلی دوائیں ہوتی ہیں ان کی معلومات کرتا ہے، ہتھیار کے بارے میں سوچتا ہے تاکہ وہ خودکشی کرسکے اب اس Depression (پریشانی) کا حل یہ ہے کہ اگر کوئی Teenage نوجوان اس کیفیت میں چلا جائے تو ماں باپ کو چاہئے کہ اس کی مدد کریں، اسکو پیسے دیں اور اسکی بات کو نرمی کے ساتھ سنیں، تو پہلا یہ ہے کہ اس کے ساتھ نرمی برتی جائے۔ دوسرا اس کو کچھ نہ کہیں، بس سنتے رہیں، سنتے رہیں تاکہ اس کے دل میں جو لاوا ہے وہ سارا باہر آجائے تو بس سننا ہے، اور تیسرا کام یہ کریں کہ اس کی ہر بات میں تصدیق کریں، ہاں میں ہاں ملائیں ہاں آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، آپ نے بالکل صحیح سوچا، بالکل ٹھیک کہا، جو اس کی تصدیق کرے گا تو پھر وہ اس سے شیئر کرنا پسند کرے گا، اور چوتھا کام یہ کہ اس بچہ کو کسی کھیل میں مصروف کردیں جب بچہ کھیل میں مصروف ہوجاتا ہے تو اس کے جذبات پر جو Extreme وانتہا پسندی چھائی ہوئی ہوتی ہے وہ پھر نارمل ہوجاتی ہے اس طرح جو بچہ Depression (سخت مایوسی) میں ہوتا ہے اس کی آپ مدد کرسکتی ہیں، کبھی بھی Depression میں گھرے بچے کی دھمکی کو معمولی نہ سمجھیں، اگر وہ کہے کہ میں کھڑکی سے چھلانگ لگادوں گا ،تو ماں کبھی نہ کہے کہ لگا کر دکھاؤ، اگر لڑکے نے یہ بات کی تو وہ 90 فیصد چھلانگ لگائے گا اور اگر لڑکی نے بات کہی تو وہ 50 فیصد ہوتا ہے کہ وہ بات کئی مرتبہ فقط دھمکی کے لئے کرتی ہے، لڑکے جب بات کرتے ہیں تو اس

کو نافذ اور عملی جامہ پہنانے کے لئے کرتے ہیں۔

بچوں کی روحانی بیماریاں اور اس کا علاج

اب بچوں کے چند نفسیاتی مسائل جو ان کی بیماریاں ہیں ان کو بھی ذرا غور سے سن لیجئے۔ایک کا نام ہے Attention deficit hyperactivity disorder یہ بیماری جن بچوں میں ہوتی ہے وہ جذباتی بچے ہوتے ہیں، یہ کسی چیز پر توجہ نہیں دیتے بے آرام ہوتے ہیں گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماسہ، یہ دوسروں کو خوب تنگ کرتے ہیں ان کو اپنی باری کا انتظار کرنا لائن کے اندر بڑا مشکل ہوتا ہے، اسکول میں پڑھنے میں ان کی کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، ہر وقت ان کا دوستوں کے ساتھ جھگڑا رہتا ہے اور یہ بڑوں کی بات نہ مان کر خوش ہوتے ہیں اور ایسے بچوں کو نیند بھی نہیں آتی۔جب یہ علامات ہوں تو یہ بیماری کی علامت ہوا کرتی ہے، یہ بات سمجھئے کہ یہ بیماری چار سال کی عمر سے شروع ہوتی ہے مگر سات سال کے اندر پوری آب وتاب کے ساتھ ظاہر ہوجاتی ہے اب جو ماں سمجھدار ہوگی وہ چار سال کی عمر میں بچے کی حرکتوں سے پہچان لے گی کہ اس میں بیماری کی علامات ہیں تو جتنی جلدی بیماری کا پتہ چلے گا اتنی جلدی اس کا علاج ہوجائے گا اور اگر ماں کو پتہ ہی نہیں تو جب بیماری اپنے شباب کو پہنچے گی تو بچے کی عادتوں سے پتہ چلے گا اور جب تک ڈاکٹر تک بات پہنچے گی اس وقت تک نقصان بہت زیادہ ہوچکا ہوگا اس لئے ان چیزوں کا ماں کو علم ہونا یہ بھی ضروری ہے، ایسے بچے کے لئے دو کام کریں، اس کو ماں گھر میں بھی سمجھائے اور استاذ سے Coordinate کریں کہ آپ بھی وہی بات سمجھائیے، تاکہ گھر سے بھی وہی پیغام ملے اور استاذ سے بھی وہی پیغام ملے۔ ویسے ایک گولی بھی ہے Retalin جو صبح وشام بچے کو دی جائے تو بچے میں جذباتی پن ٹھیک ہوجاتا ہے

دوسرے کا نام ہے Disruptive Behaviour disorder یہ غصے والے بچے ہوتے ہیں، بات بات پر ان کو غصہ آتا ہے یہ غصے میں برتن توڑ دیتے ہیں، چیزیں پھینک دیتے ہیں، دوسروں سے لڑائی جھگڑا کرتے ہیں، یہ بھی قابل علاج بیماری ہے اگر بچپن میں تشخیص ہوجائے۔ایک ہے H o o d disorders یہ ایک قسم کی بیماری ہے، جو بہت خطرناک بیماری ہے جو بچے Bipolar ہوتے ہیں وہ تھوڑی دیر میں دوست اور تھوڑی ہی دیر میں دشمن ہوجاتے ہیں ان میں دو انتہائیں ہوتی ہیں، دیکھا یہ گیا کہ جو بچے اس میں مبتلاء ہوتے ہیں وہ بہت زیادہ جنسی گناہ کرتے ہیں یعنی زنا کا گناہ ایسے لڑکے اور لڑکیوں میں بہت کثرت سے پایا جاتا ہے، ایسے لوگ عام طور پر دوسرے کو قتل زیادہ کرتے ہیں۔اور عام طور پر خودکشی بھی یہی لوگ زیادہ

کرتے ہیں۔

ایک اور بیماری ہے اس کو General depression (اداسی) کہتے ہیں کہ اس طرح کے بچو ں میں ذہنی نشو نما درست نہیں ہوتی وہ اداس اداس اور چپ چپ رہتے ہیں۔ چوتھا ہے Anxiety disorder یعنی پریشانی، تو بچے میں ایک بیماری ہوتی ہے Separation anxiety disorder اس میں بچی کو گم ہونے کا ڈر رہتا ہے وہ بچی ماں کے ساتھ چپکی رہتی ہے کہ کہیں میں پیچھے نہ رہ جاؤں، گم نہ ہوجاؤں، کہیں دور نہ ہوجاؤں، ایسے بچوں کو عام طور پر اغوا ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔ ایک ہوتا ہے Social Phobia یہ بچے لوگوں میں نہیں بیٹھ سکتے بلکہ یہ تنہائی پسند بن جاتے ہیں۔ ایک ہوتا ہے Obsessive compulsive disorder کہ بچے وہمی بن جاتے ہیں ایسے بچے جب ہاتھ کو دھونا شروع کردیتے ہیں تو دھوتے ہی رہتے ہیں، وضو کرنے بیٹھتے ہیں تو بس آدھا گھنٹہ پانی چلتا رہے گا ان کو تسلی نہیں ہوگی تو یہ وہمی بچے کہلاتے ہیں۔ ایک ہوتا ہے P o s t traumatic stress disorder کہ بچے کو صدمہ ہوتا ہے اور اس کے بعد بچے میں یہ بیماری آجاتی ہے۔ ایک ہے Generalised anxiety disorder کہ طبیعت ہی فکرمند ہوتی ہے کچھ بات کردیں تو بس بچہ اس کے لئے پریشان ہی ہوجاتا ہے۔ مگر ان تمام نفسیاتی بیماریوں کا جو حل ہے وہ دو چیزیں ہیں، ایک تو پیدائش سے لے کر چھ سال کی عمر تک ماں بچے کی اچھی طرح پرورش کرے جس طرح کہ ان بیانات میں تفصیل بتائی گئی تا کہ اس کے ذہن میں اللہ کا تصور، دین کا تصور، اللہ کی محبت، دین کی محبت، ڈالی جائے اور خیر کی باتیں اس کے ذہن میں ڈالی جائیں ، بیکار اور لایعنی باتوں کو اس کے اندر جانے سے بچایا جائے۔ دوسری بات کہ بچے کو اللہ کا عاشق بنایا جائے، جو بچہ بچپن میں ماں کی تربیت کی وجہ سے اللہ کا عاشق بنتا ہے، اس کو دنیا میں پھر کوئی غم نہیں رہتا۔ کیڑے مکوڑے اس وقت تک رہتے ہیں جب تک اندھیرا رہتا ہے جب سورج کی روشنی آجاتی ہے پھر کیڑے مکوڑے سب بلوں میں گھس جایا کرتے ہیں۔ یہ ہماری زندگی کی پریشانیاں بھی اس وقت تک پریشانیاں ہیں جب تک اللہ کی محبت کا سورج ہماری زندگی میں طلوع نہیں ہوتا، جب یہ سورج طلوع ہوتا ہے تو سب غموں کو مٹا کر رکھ دیتا ہے ۔

زباں پہ شکوۂ رنج والم لایا نہیں کرتے
نبی کے نام لیوا غم سے گھبرایا نہیں کرتے

تو مائیں بچپن سے اللہ اور پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بچوں کے دلوں میں ڈالیں۔ اگر ماں ہی ٹی وی اور ڈرامے دیکھنے اور میوزک پر گانے سننے کی عادی ہو، نہ سر پر دوپٹہ ہو نہ نماز پڑھنا یاد رہے، تلاوت کبھی کرتی نہ ہو ،تو ایسی ماں اپنے بچے کو کیا دیندار بنائے گی؟ ؎

ہم الزام ان کو دیتے تھے
قصور اپنا نکل آیا

اس کا بہترین حل، نبی علیہ السلام نے بتایا لوگ عام طور پر، اپنی بیویوں کو ان کے حسن، ان کے خاندان اور ان کے مال کی وجہ سے منتخب کرتے ہیں، تم اپنی بیویوں کو ان کی دینداری کی وجہ سے منتخب کرو اب جو نوجوان اپنی بیوی کا انتخاب دینداری کی بنیاد پر کرے گا یہ بیوی جب ماں بنے گی تو اپنے بچے کو دین سکھائے گی، پسند تو کرتے ہیں خوبصورتی دیکھ کر، تو وہ کیا بچوں کی تربیت کر سکے گی؟ جب وہ خود دیندار نہیں ہوگی ؎

جس سے آنچل بھی نہیں سر کا سنبھالا جاتا
اس سے کیا خاک تیرے گھر کی حفاظت ہوگی

اسلئے بچیوں کو چاہئے کہ فقط ظاہری خوبصورتی کو صرف خوبصورتی نہ سمجھیں، بلکہ شخصیت کی خوبصورتی کو خوبصورتی سمجھیں، اپنے اندر اخلاق پیدا کریں، نیکی پیدا کریں، شرم وحیاء پیدا کریں، اپنے اندر سچ پیدا کریں، امانت داری پیدا کریں، خدمت کی صفت پیدا کریں، یہ صفتیں ہیں جو ماں کو ایک اچھی ماں بناتی ہیں پھر یہ ماں اپنے گود میں پیدا ہونے والے بچے کو مؤمن بناتی ہے، اللہ کا دوست بناتی ہے۔ اللہ تعالی ہمیں بچوں کی اچھی تربیت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆

گذشتہ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ زامبیا میں دورانِ اعتکاف مستورات کی مخصوص مجالس میں

ریحانۃ العصر، **حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی** دامت برکاتہم نے

بچوں کی ہمہ جہتی نشوونما، نیز اُن کی پرورش کے سلسلے میں اپنے سلسلہ وار خطابات میں نہایت قیمتی باتیں بیان فرمائی تھیں، جن کی ترتیب حسب ذیل ہے،

۱۔ ماں کی گود (ابتدائی انتہائی اہم باتیں) جسمانی پرورش	۵۔خصوصی باتیں لڑکوں کی پرورش سے متعلق
۲۔ذہنی ودماغی نشوونما (Mental growth)	۶۔خصوصی باتیں لڑکیوں کی پرورش سے متعلق
۳۔ جذباتی نشوونما (Emotional growth)	۷۔وقتِ بلوغت (Adolesence age)
۴۔ تعلیم وتربیت کا خیال	۸۔نفسیاتی پہلو کا خیال رکھنا
۹۔ طبی لحاظ سے بچوں کا خیال	

یہ تمام بیانات آپ ماہنامہ الفرقان کے صفحات پر قسط وار ملاحظہ فرماتے رہے ہیں، اب الحمدللہ

''نعمانی اکیڈمی''

کی جانب سے اِن بیانات کے مجموعہ کو ایک کتابی شکل میں پیش کیا جارہا ہے، نیز یہ مجموعہ اردو زبان کے ساتھ ساتھ ہندی زبان میں بھی منظرعام پر لایا جارہا ہے، تاکہ اِس کا فائدہ لامحدود ہو، انشاءاللہ جب یہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہوگا، تب تک یہ کتاب شائع ہوچکی ہو، شائقین سے گذارش ہے کہ اپنے آرڈر جلد از جلد نوٹ کرادیں۔ قیمت: (تخمینہ) اردو Rs.200/- ہندی Rs.250/-

نوٹ: ابھی کتاب کا نام حتمی طور پر طے نہیں ہوا۔ انشاءاللہ جلد ہی ہوجائے گا۔

الفرقان بکڈپو: 31/114، نظیرآباد لکھنؤ 226018، فون 0522-6535664

خانقاہِ نعمانیہ: ممداپور، نیرل، تعلقہ کرجت، ضلع رائے گڑھ، فون 07744960574

نعمانی اکیڈمی: 8960633860، 9369026355، 0522-4079758

خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز کتاب

ازالۃ الخلفاء عن خلافۃ الخلفاء
ایک نئے قالب میں

''ازالۃ الخلفاء عن خلافۃ الخلفاء'' ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے بعد حضرت شاہ ولی اللہؒ کی دوسری اہم ترین تصنیف ہے — اگر حجۃ اللہ البالغہ کی تصنیف کا مقصد اسلام کی ایسی مربوط تشریح ہے جس سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوجائے کہ اسلام دراصل انسانیت کے شفیق پروردگار کی طرف سے انسانیت کی ہمہ جہتی ترقی اور حقیقی و مکمل سعادت کے حصول کے لئے اتارے گئے فطری اصولوں کا نام ہے اور عالمگیر اور ناقابل تبدیل فطرت انسانی کے مسلم اصولوں پر مبنی زندگی کے ایک ایسے جامع فطری اور مربوط نظام کا نام ہے جس کا ہر جز دوسرے سے جڑا ہوا ہے۔ اور اس کو اپنائے بغیر نہ فرد کو پر سکون اور کامیاب زندگی نصیب ہوسکتی ہے نہ ایک صحت مند معاشرہ اور صالح تمدن وجود میں آسکتا ہے۔ تو ''ازالۃ الخلفاء عن خلافۃ الخلفاء'' سے اس دور کی نہایت معتبر اور مستند تاریخ سامنے آتی ہے جس میں اسلام ہر شعبہ میں عملاً نافذ تھا، اور جس دور پر صحیح انداز سے غور وفکر کر کے قیامت تک آنے والے مختلف ادوار کے بارے میں عملی رہنمائی اخذ کی جاسکتی ہے — اور بلا شبہ وہ دور ہے خلافت راشدہ کا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی دور بیں نگاہ نے ''انکار خلافت'' کے دوررس اور انتہائی خطرناک نتائج کو دیکھ لیا تھا — ان پر یہ بات بخوبی منکشف ہوگئی تھی کہ خلفائے راشدین کی خلافت اور عظمت صحابہ کے

انکار کا مسئلہ کوئی فروعی مسئلہ یا صرف تاریخی روایات کا مسئلہ نہیں ہے —— بلکہ اس کے نتیجہ میں پورے دین کا مشکوک اور منہدم ہونا یقینی ہے، کیوں کہ آج امت کے پاس جو قرآن ہے وہ ان ہی خلفاء اور ان ہی صحابہ کے ذریعہ ہم تک پہونچا ہے۔ نیز حدیث وسنت کا وہ پورا ذخیرہ جس کے دئے ہوئے تفصیلی نقشے پر ہی اسلامی زندگی کی عمارت تعمیر ہوسکتی ہے وہ سب ان ہی کے واسطے سے امت کو ملا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ وہ عظیم علم فقہ جس نے پوری زندگی کے ایک ایک مرحلے کے لئے فطری اور محکم قوانین وضع کئے اور وہ علم تزکیہ واحسان جس نے نفس انسانی کی تربیت کے اصول مرتب کئے، اور خاندانی زندگی سے لیکر ملکی و عالمی پیمانے پر امن وانصاف کو یقینی بنانے کے اصول سکھانے والے علوم، یہ سب علوم وکمالات امت کو خلفائے راشدین ہی کی تعلیم اور طریق عمل سے حاصل ہوئے، اور امت اس سب کے بارے میں، اور اس کے علاوہ کے بارے میں بھی، ان کی رہین منت ہے —— پس اگر کوئی شخص خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے انکار کا عقیدہ رکھتا ہے تو اسے صرف فروعی اختلاف ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھا اور اس کا ان لفظوں میں اظہار فرمایا

> ''جو شخص بھی خلافت راشدہ کی صحت کے اصول کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے اور دین کی اس بنیاد کا انکار کرتا ہے وہ حقیقت میں تمام فنون دینیہ کو منہدم کردینا چاہتا ہے''۔

شاہ صاحب نے اس سلسلہ میں اللہ کے خصوصی کرم اور نظر عنایت کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ پر لکھا ہے کہ:

> ''واقعہ یہ ہے کہ توفیق الٰہی کے نور نے اس بندۂ ضعیف کے دل میں اس علم کو اس شرح وبسط کے ساتھ القا کیا کہ اُس کو علم الیقین کے ساتھ معلوم ہوگیا کہ اِن حضرات خلفاء راشدین کی خلافت کا اثبات اصول دین میں سے ایک اصل عظیم ہے، جب تک اس اصل کو پوری مضبوطی کے ساتھ تسلیم نہیں کیا جائے گا شریعت کے مسائل میں سے کسی مسئلہ کو استحکام حاصل نہیں ہوگا''۔

جو شخص ازالۃ الخفاء کو غور سے اور کھلے دل سے پڑھے گا، اسے اس بات کو قبول کرنے میں ادنی سا تأمل نہیں ہوگا کہ واقعۃً اللہ تعالی نے اس سلسلے میں بھی ان کو ایک ''خاص علم'' عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ یہ اسی خاص علم وفہم اور ''شرح وبسط'' ہی کا نتیجہ ہے کہ شاہ صاحب یہ ثابت کرنے میں سو فیصد کامیاب نظر آتے ہیں کہ خلافت راشدہ کا ثبوت صرف ایک تاریخی مسئلہ ہی نہیں ہے، بلکہ بے شمار قرآنی آیات سے

خلافت راشدہ کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ ان آیات کا کوئی اور معنی ومصداق ہو ہی نہیں سکتا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے تاریخ دعوت وعزیمت (جلد چہارم) میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

''کتاب کا سب سے وجد انگیز حصہ وہ ہے جس میں شاہ صاحب نے قرآن مجید کی متعدد آیات سے خلفائے راشدین کی خلافت کے انعقاد اور ان کے خلیفہ راشد ہونے اور ان کے ذریعہ سے منشائے الٰہی کی تکمیل اور امر تکوینی کے تحقق پر استدلال کیا ہے اور آیات کے ایسے اشارات بلکہ تصریحات کی طرف توجہ دلائی ہے جن سے بدیہی طور پر (بلکہ بعض مقامات پر ریاضی کے نتائج کے رنگ میں) یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات کے سوا ان آیات کا کوئی اور مصداق اور مراد نہیں ہوسکتا''

پھر قرآن مجید کے علاوہ سیکڑوں احادیث اور آثار صحابہ واہل بیت، سے جگہ جگہ جو استدلال کیا گیا ہے کہ وہ ایک ایسا عدیم المثال اور محیر العقول کارنامہ ہے جس سے شاہ صاحب کے غیر معمولی علمی مقام ،وسعت مطالعہ اور قوت استدلال ہی کا نہیں بلکہ ان کے وہبی علوم والہامی مضامین کا اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے——

علاوہ ازیں خلفائے راشدین کی خصوصیات، ان کے فضائل، ان کے علمی وعملی کارناموں کا جو نہایت جامع اور تفصیلی بیان اس کتاب میں آیا ہے وہ بھی نہ اس سے پہلے کسی کتاب میں ملتا ہے نہ اس کے بعد کی کسی تصنیف میں—— آپ صرف حضرت عمرؓ ہی کا تذکرہ پڑھئے جو ساڑھے پانچ سو صفحات میں آیا ہے، آپ کو اس تذکرہ میں حضرت عمرؓ کی فقہی بصیرت اور ان کے ان بے شمار اجتہادات، فیصلوں ،سیاسیات ومعاشیات اور نظم مملکت میں ان کی محیر العقول مہارت اور اِن میدانوں میں ان کے عظیم کارناموں کا بیان تو ملے گا ہی جن سے ان کی شخصیت کے ان پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے، جو فی الجملہ کم از کم دور حاضر میں بہت زیادہ مخفی اور غیر معروف نہیں رہے ہیں، مگر ان کے علاوہ آپ کو حضرت عمرؓ کی شخصیت کے ان گوشوں سے بھی بھرپور واقفیت حاصل ہوگی جن پر خصوصاً اس دور کے مخصوص مزاج نے پردہ ڈال دیا ہے۔ میرا اشارہ علم سلوک وتصوف کی طرف ہے۔ شاہ صاحب نے اس سلسلے میں نہایت معتبر اور لطیف دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ علم تزکیہ واحسان کے سلسلے میں بھی حضرت عمرؓ کو نہایت بلند مقام حاصل تھا اس سلسلے میں انہوں نے ۱۵۰ صفحات پر دلائل اور حوالوں کے انبار لگادئے ہیں، اور ان سے

نہایت بے حد اہم اور لطیف مضامین مستنبط کئے ہیں—

ایک بہت اہم خصوصیت اس کتاب کی یہ بھی ہے اگر چہ یہ کتاب ایک مخصوص فرقے اور اس کے ایک مرکزی عقیدے کی تردید کے مقصد سے لکھی گئی مگر کہیں پر بھی مناظرانہ انداز یا منفی اسلوب نہیں نظر آتا۔ بس دلائل کا انبار ہے اور اتمام حجت کی زبردست کوشش ہے۔

شاہ صاحب نے یہ کتاب فارسی میں لکھی تھی، غالباً اس لئے کہ جس فکری انحراف کی اصلاح اس کتاب کی تالیف کا اصل مقصود تھا وہ ایران سے ہی آیا تھا۔ اور آج بھی اس کا اصل مرکز ایران ہی ہے۔ اب حال ہی میں ہمارے ملک کے معروف محدث مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری مدظلہٗ کی نگرانی اور رہنمائی میں ان کے ممتاز شاگردوں اور نوجوان علماء کی ایک ٹیم نے اس کتاب کا عربی ترجمہ کیا ہے، اور تحقیق وتعلیق کے تمام ضابطوں پر عملدرآمد کرتے ہوئے تمام احادیث و آثار کی تخریج کی ہے— اور سیکڑوں مآخذ سے منقولہ عبارتوں کے حوالے دئے ہیں۔ ابواب وفصول کے عنوانات اور ذیلی سرخیاں لگائی ہیں— اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ علماء کی اس جماعت نے کتنی سخت محنت اس کتاب کو ایک نئے، دیدہ زیب اور مستند قالب میں پیش کرنے کے سلسلے میں کی ہوگی اور اس پر مستزاد یہ کہ خود مولانا محترم نے پوری کتاب پر گہری نظر ڈالی ہے، اور جگہ جگہ ضروری اصلاح وترمیم بھی کی ہے۔ اس کتاب کو دور جدید کے تصنیفی اسلوب سے ہم آہنگ کرنے کے لئے جو محنت کی گئی ہے اس کا اندازہ آپ اس سے بھی لگا سکتے ہیں کہ ہر صفحے پر ہر آیت کا نمبر اور ہر حدیث یا عبارت کا حوالہ تو دیا ہی گیا ہے، ۵۶۰ صفحات پر مشتمل ایک پوری جلد صرف انڈکس پر مشتمل ہے، جس میں تمام آیات قرآنی، تمام احادیث وآثار، عربی اور فارسی کے تمام اشعار، اور تمام مآخذ ومراجع کو نہایت سلیقے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور یہ اسی طویل اور سخت جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ یہ عظیم کتاب اب اس شکل میں آئی ہے جس کی یہ مستحق تھی، ضرورت ہے کہ ہمارے علماء کرام اس کتاب کا بہت غور وتوجہ سے مطالعہ کریں۔ بلکہ اس کے اہم مباحث کو توسیعی محاضرات کی شکل میں ہمارے منتہی طلبہ اور نوجوان علماء کے سامنے بھی پیش کیا جائے۔

ہمارے مولانا تقی الدین ندوی مظاہری مدظلہٗ . پورے علمی حلقے کی طرف سے مبارک باد اور شکریہ کے مستحق ہیں— انہوں نے برصغیر کے علماء ومصنفین کی علمی خدمات کو پوری ملت اسلامیہ تک

عربی زبان میں پہونچانے کے جس عظیم کام کا عرصے سے بیڑا اٹھایا ہوا ہے بلکہ اسے اپنی زندگی کا مشن بنایا ہوا ہے بلاشبہ یہ اس سلسلے کی ایک زریں کڑی ہے۔انہیں اوران کے رفقاء کو بہت بہت مبارک ہو!!

اس سے پہلے وہ حضرت مولانا عبدالحئ فرنگی محلی کی دو عظیم کتابیں ''التعلیق الممجد علی مؤطا الامام محمد'' اور ''ظفر الامانی فی شرح مختصر الجرجانی''، نیز حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی تالیف ''بذل المجھود فی شرح سنن ابی داؤد'' شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی تصنیف ''اوجز المسالک فی شرح مؤطا الامام مالکؒ'' اور صحیح بخاری کو تصحیح وترتیب کے تمام تقاضوں کی رعایت کے علاوہ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کے اس حاشیے کے ساتھ شائع کرنے کی خدمت انجام دے چکے ہیں جسے صحیح بخاری کی بہترین شرح بھی قرار دیا گیا ہے.....

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا محترم کی عمر وصحت میں برکت عطا فرمائیں،اوران کی تمام خدمات کو شرف قبولیت عطا ہواوران کے ذریعہ اوران کے تیار کردہ نوجوان علماء کے ہاتھوں جن میں ان کے صاحبزادگان بھی شامل ہیں علم دین کی خدمت کا یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے۔

☆☆☆

مولانا محمد عمرین رحمانی ☆

حضرت مولانا محمد زبیر الحسن کاندھلویؒ

۱۶ / مارچ ۲۰۱۴ء بروز اتوار کی دوپہر کو موبائل آن کیا تو کسی کا دوسطری پیغام آیا ہوا تھا ''حضرت مولانا محمد زبیر الحسن صاحبؒ کے گردے فیل ہوگئے ہیں، بے ہوشی کی حالت میں آئی سی یو میں داخل ہیں، صحت و عافیت کے لئے دعا فرمائیں۔'' اب کیا عرض کروں کہ اس دوسطری پیغام نے دل و دماغ پر کیا اثر ڈالا، فوری طور پر دعائے صحت و عافیت کی، اللہ پاک سے ان کی درازئ عمر کی بھیک مانگی مگر نہ جانے کیوں شام تک یہ خیال بار بار آتا رہا کہ مولانا محترم رخصت ہونے والے ہیں اور بالآخر ۱۸ / مارچ ۲۰۱۴ء بروز منگل کی دوپہر کو سناؤنی آہی گئی کہ مولانا سفر آخرت پر روانہ ہوگئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی

موت اس دنیا کی سب سے بڑی سچائی ہے، زندگی کا انجام فنا ہے، روح اور جسم کا باہمی تعلق عارضی اور وقتی ہے ان ساری حقیقتوں سے واقفیت کے باوجود اہل علم و ذکر اور مخلص و باوفا بندوں کے اٹھ جانے پر چند لمحوں کے لئے ہی سہی دل یہ تمنا کرنے لگ جاتا ہے کہ یہ مرحلۂ فنا کاش ان پر نہ آیا ہوتا اور موت کو زندگی پر فتح نہ ہوئی ہوتی لیکن جب شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ نظام نہ بدلا تو آپ کے بعد کون سی ایسی ہستی ہے جسے یہ مقام مل سکتا ہے؟

برگیتی گر کسے پائندہ بودے
ابو القاسم محمد زندہ بودے

کائنات کا نظام ہی بنانے والے نے کچھ اس طور پر بنایا ہے کہ لوگ آتے ہیں، عرصۂ حیات بتاتے

☆ مدیر ماہنامہ گلشن نعمانی، مالیگاؤں

ہیں زندگی کی مہلت ختم ہوتی ہے اور لوگ رخصت ہو جاتے ہیں

زندگی انسان کی مانند مرغِ خوش نوا ہے
شاخ پہ بیٹھا کوئی دم چہچہایا اور اڑ گیا

مگر ان رخصت ہونے والوں میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے اٹھ جانے پر اہل تعلق رنج واندوہ میں ڈوب جاتے ہیں اور جن کی رحلت سے ایک بڑا خلا پیدا ہوتا ہے۔ ۱۸ / مارچ ۲۰۱۴ء کو جو عظیم شخصیت ہمارے درمیان سے اٹھالی گئی ان کا شمار ایسے ہی بندگان خدا میں تھا، ان کی وفات ایک ایسے مخلص عالم کی وفات ہے جن کے علم میں عمل کی تابانی تھی، ان کی رحلت ایک ایسے شیخ طریقت کی رحلت ہے جن کے دست حق پرست پر ہزاروں اہل ایمان نے بیعتِ توبہ کی تھی، ان کا وصال ایک ایسے داعیٔ دین کا وصال ہے جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ دعوت وتبلیغ کے لئے وقف تھا جو جیتے تھے خدا تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے اور جو دنیا سے رخصت ہوئے ایمان ویقین کی ترویج کی فکر لئے۔

مولانا مرحوم، حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ، اور اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کے درد وغم، تڑپ اور کڑھن کے وارث تھے ان کے شب وروز دعوت الی اللہ اور خدمت دین کے لئے وقف تھے، ایثار وقربانی اور صبر وتسلیم کا رنگ ان پر غالب تھا، انہوں نے مرکز نظام الدین میں آنکھیں کھولیں اور مدت زندگی پوری کر کے وہیں اپنے بزرگوں کے قریب قیامت تک کے لئے سو گئے۔

حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب کی پیدائش ۳۰ / مارچ ۱۹۵۰ء کو ایک علمی و دینی خانوادے میں ہوئی، ان کے پردادا حضرت مولانا رضی الحسن صاحب کاندھلویؒ حضرت گنگوہی کے شاگرد رشید، اور حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب (والد بزرگوار شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ) کے ہم درس تھے انہوں نے حضرت گنگوہیؒ کی تقریر بخاری وترمذی بڑے اہتمام سے نقل فرمائی تھی۔ آپ کے دادا حضرت مولانا اکرام الحسن صاحبؒ، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کے بااختصاص مرید اور مدرسہ مظاہر العلوم کے رکن شوریٰ تھے۔ آپ کے والد حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ، حضرت مولانا محمد الیاس کے خاص معتمد وخلیفہ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے شاگرد اور داماد اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے دیرینہ رفیق و ہمدم اور معین و مددگار تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے وصال کے بعد اپریل ۱۹۶۵ء میں تبلیغی جماعت کے امیر اور تیسرے حضرت جی نام زد کئے گئے

۔۱۹۶۵ء سے اپنی وفات (۱۹۹۵ء) تک مکمل تیس سالوں میں تبلیغی جماعت کے فروغ اور وسیع پیمانے پر اس کو متعارف کرانے کے لئے انتھک محنت کی ،ملکوں ملکوں کا سفر کیا ،صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کیں۔ان کے دور امارت میں تبلیغی جماعت کو زبردست عروج حاصل ہوا۔حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اس کی شہادت ان الفاظ میں دی ہے کہ:

''حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلویؒ داعی اول حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے خاص معتمد علیہ اور تربیت یافتہ تھے وہ جب امیر منتخب ہوئے تو ان کے زمانۂ امارت اور قیادت میں تحریک نے بڑی وسعت و کامیابی حاصل کی۔اور وہ دور دراز ملکوں میں پھیلی اور اس نے اپنے اثرات دکھائے۔اس میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی استقامت ،روح محافظت اور اس جذبہ کو بہت دخل تھا کہ اپنے اصل راستہ اور ابتداء کار کے معمول بہ نظام اور حدود سے تجاوز نہ کرنے پائے انہوں نے اسے انہیں حدود و دائرہ کار میں رکھا جو ابتدا میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے مقرر کئے تھے۔
''(سوانح حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی، ج:۳،ص:۲۷۳)

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے حضرت مولانا الیاس صاحبؒ سے تربیت پائی تھی،انہیں کے دست حق پرست پر مرید ہوکر راہ سلوک طے فرمایا اور اپنے عہد شباب میں ذکر وفکر کی ایسی پابندی کی اور اس قدر مجاہدات فرمائے جس کی مثالیں متقدمین کے یہاں ملتی ہیں،ایک طویل عرصے تک ان کا یہ معمول رہا کہ اوراد و اذکار اور معمولات کی تکمیل کے لئے بستی نظام الدین ہی میں ایک غیر آباد جگہ چلے جاتے اور یکسوئی کے ساتھ وہیں اپنے معمولات پورے کرتے ،مولانا عبد الحفیظ صاحب (مقیم مکہ مکرمہ) کی روایت کے مطابق اس جگہ ایک پتھر دکھا کر خود مولانا مرحوم نے ان سے فرمایا تھا کہ میں نے اس پر سات سات گھنٹے بیٹھ کر اپنے معمولات پورے کئے ہیں،مرشد کامل کی نگاہ کیمیا اثر اور ان کے ذاتی محنت ومجاہدے نے انہیں روحانیت کے عظیم مقام پر فائز کردیا تھا۔میں نے مخدوم گرامی حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی مدظلہ سے براہ راست یہ بات سنی ہے کہ حضرت جیؒ سے نگاہ ملا کر کوئی شخص بھی بات چیت نہیں کر پاتا تھا اس وقت تو ہمیں اس کا علم نہیں تھا لیکن بعد میں اپنے شیخ ومرشد (حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی دامت برکاتہم) سے یہ سنا کہ ''تجلی ذات جن لوگوں کو حاصل ہوتی ہے ان سے نگاہ ملا کر بات نہیں کی جاسکتی۔'' تو پتا چلا کہ حضرت جیؒ کیسے عظیم مقام پر فائز تھے۔

مولانا محمد زبیر الحسن صاحبؒ خوش نصیب تھے کہ انہیں ایسے عظیم باپ کی گود نصیب ہوئی ،انکی والدہ

بھی بڑی نیک وصالح اور متقی خاتون تھیں وہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی صاحب زادی، اور دینی ،دعوتی مزاج کی حامل تھیں۔مولانا زبیر الحسنؒ کا بچپن ایسے پاکیزہ ماں باپ کے آغوش، اور مرکز نظام الدین کے دینی وروحانی ماحول میں گزرا،تعلیم پانے کی عمر کو پہونچے تو اس دور کے عظیم بزرگ وشیخ طریقت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں قصبۂ رائے پور لیجائے گئے، جہاں ان کی تعلیم کی بسم اللہ ہوئی، حفظ قرآن پاک اور عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۶۶ میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا ،اور پانچ سال تک طلب علم میں مشغول رہ کر سند فراغت حاصل کی، پھر مرکز نظام الدین دہلی میں مستقل مقیم ہو گئے۔

وہ خوش نصیب تھے کہ فراغت کے بعد تقریباً پچیس سال اپنے عظیم والد کی براہ راست نگرانی میں دینی دعوتی اور تدریسی کاموں کا انہیں موقع ملا اور سفر وحضر میں رہ کر انہوں نے حضرت جیؒ سے بہت کچھ سیکھا ،ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد انہوں نے اپنے نانا قطب وقت حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے دست مبارک پر بیعت کی سعادت حاصل کی، اور ان کی ہدایات کے مطابق ذکر وسلوک کی راہ طے کرتے رہے۔ ۱۰/فروری ۱۹۷۸ء بروز جمعہ، مسجد نبوی شریف میں حضرت شیخ الحدیث نے اجازت وخلافت سے نوازا، اجازت بیعت کے وقت تحریری طور پر چند نصیحتیں بھی فرمائیں، اس اجازت نامہ کی چند سطریں یہاں درج کی جاتی ہیں جن سے حضرت شیخ الحدیثؒ کی دوراندیشی اور عزیزوں کی تربیت کے سلسلہ میں بے پناہ فکرمندی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

> ''اس وقت بضرورت تبلیغ توکلاً علی اللہ تعالیٰ تمہیں بیعت کی اجازت دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے میرے حسن ظن اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد کو پورا فرمائے البتہ چند امور پر ضروری تنبیہ کرتا ہوں (۱) مولانا انعام الحسن صاحب کی حیات تک میوات اور نظام الدین میں کسی کو بیعت نہ کرنا، البتہ اگر مولانا انعام الحسن صاحب کے بغیر تمہارا میوات کے علاوہ کہیں کا سفر ہو اور کوئی درخواست کرے تو ضرور کر لینا، معمولات کی پابندی ترقی کا زینہ ہے جتنی پابندی کروگے اتنی ہی انشاء اللہ ترقیاں ہوں گی۔ میں نے اپنے بڑوں میں حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مدنی اور چچا جان کو اخیر تک ذکر بالجہر اہتمام سے کرتے پایا۔ مرض الوفات میں تینوں نے چھوڑا۔ ہر دو اعلیٰ حضرت رائے پوریان (یعنی حضرت شاہ عبد الرحیم رائے پوری اور حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری) طویل بیمار رہے اس لئے انکا دور ذکر بالجہر کا تو میں نے نہیں دیکھا البتہ حضرت گنگوہی کا صبح کی نماز کے بعد دو گھنٹے (کواڑ) بند کرنا، اور ظہر کے بعد ایک گھنٹہ، اور حضرت رائے پوری ثانی کا

ظہر سے عصر تک نہایت اہتمام سے کواڑ بند رکھنا تو اخیر تک دیکھا کہ ان اوقات میں کوئی خاص سے خاص بھی اندر نہیں جاسکتا تھا۔ اگر بیماری یا ضعف کی وجہ سے جہر نہ ہوسکے تو بالسّر معمول پورا کرنا بہت ضروری ہے۔ ارشاد السلوک اکمال الشیم اور صوفی اقبال کا اکابر کا سلوک تمہیں تو پڑھنا مشکل ہے کوئی ایسا شخص جو سلوک سے کچھ دلچسپی رکھتا ہو، اس سے کوئی وقت مقرر کرکے دس پندرہ منٹ ضرور سن لیا کرو۔ اور اگر مولانا عبید اللہ وقت دے سکیں تو کیا ہی پوچھنا کہ ان کے سنانے میں ان کے انوار بھی شامل ہوں گے۔

ام الامراض تکبر سے بہت بچنا، سلوک میں یہ سمّ قاتل ہے، میرے والد صاحب کی پٹائی کے قصے ضرب المثل ہیں، اور یہ میں نے ان کی زبان سے خود میں نے بھی سنا کہ میں بعضی دفعہ اس مصلحت سے مارتا ہوں کہ صاحب زادگی کا سوار اخیر تک نہیں نکلتا۔ تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اول تو تم صاحب زادے ہو، اور اس کے ساتھ مشیخت بھی مل گئی۔ اپنے کو بہت ہی ذلیل دل سے سمجھنا، ہم لوگ زبان سے تو اپنے کو حقیر فقیر بہت لکھتے ہیں مگر دل سے ایسا نہیں سمجھتے، اس کا بہت زیادہ خیال رکھیں، مجھے چچا جان نور اللہ مرقدہ نے وصال سے تین دن پہلے ایک بہت اہم نصیحت کی تھی کہ اتباع سنت کا بہت زیادہ اہتمام کیجیو، میں اپنے دوستوں کو اس بات کی بہت زیادہ تاکید کرتا ہوں تم نے اس دفع سنا ہوگا، میرا لکھنے کو تو بہت جی چاہ رہا ہے مگر تمہیں میری حالت معلوم ہے نہ دماغ نہ حافظہ اتنے ہی پر قناعت کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ تمہاری سعادت سے امید ہے کہ میرے تھوڑے لکھنے کو بہت اہتمام سے یاد رکھو گے عمل بھی کروگے **وفقنی اللہ و ایاکم لما یحب و یرضی.**

فقط والسلام

(حضرت شیخ الحدیث بقلم حبیب اللہ، ۳/ ربیع الاول ۹۸ھ، مدینہ منورہ)

حضرت مولانا زبیر الحسنؒ کی ذات تعلیم، تبلیغ اور تزکیہ کی جامع تھی، مظاہر علوم جیسی عظیم دینی درسگاہ سے انہوں نے علم کی پیاس بجھائی تھی، اور فراغت کے بعد سے وصال تک چار دہائی سے زائد مرکز نظام الدین کے مدرسہ کاشف العلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں، تدریسی خدمت کا آغاز میزان الصرف، نور الایضاح وغیرہ سے ہوا، پھر ریاض الصالحین، مشکوٰۃ شریف، مسلم شریف، کا درس طویل عرصے تک دیتے رہے بعد ازاں بخاری شریف کی تدریس کی سعادت بھی حاصل ہوئی، دعوت وتبلیغ کی عظیم عالمی محنت سے ان کا جو کچھ اور جیسا کچھ تعلق تھا دنیا جانتی ہے، اور مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی وفات کے بعد سالکین ومسترشدین کا مرجع انہی کی ذات تھی، بلا مبالغہ ہزاروں اللہ کے بندے ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور ذکر وسلوک کی تعلیم لی، کہنے کو یہ

بات بہت آسان ہے کہ وہ تبلیغ اور تزکیہ کے جامع تھے لیکن جس خاص ماحول میں انہوں نے ان تینوں خدمت کے شعبوں سے اپنی ذات کو جوڑے رکھا اور جس خوش اسلوبی سے اس کو نبھایا وہ دوسروں کے لئے بہت مشکل کام ہے، تعلیم تبلیغ، تزکیہ اور تصنیف یہ سب دینی خدمت کے شعبے ہیں اور امت کو ان تمام کی ضرورت ہے۔ یہ بھی عجیب نکتہ ہے کہ ان چاروں کے شروع میں ''تاء'' ہے جس میں واضح اشارہ وحدت، اور اتحاد کی ''تاء'' کی طرف ہے، گویا یہ سارے کام ایک ہی ہیں راہیں الگ ہیں تو کیا منزل تو سب کی ایک ہی ہے، تعلیم ہو یا تبلیغ، تزکیہ ہو یا تصنیف سب کی جان اور روح قل ان صلاتی ونسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین لا شریك له وبذالك امرت ہے۔ ان میں سے جس کام میں سے بھی یہ روح نکل گئی وہ مہمل، بے فائدہ، اور لاحاصل ہے، اور اگر اخلاص کی یہ روح اثر انگیزی اور اپنے تمام آثار ولوازم کے ساتھ موجود ہو تو نہ تو موازنے کا مزاج پیدا ہوگا نہ تفاضل وتفاخر کا جہاں ''رضائے رب'' کی تلاش ہو وہاں نفسانیت کا کیا کام؟ اور جہاں نفسانیت ہو وہاں سب کچھ تو ہوسکتا ہے مگر دین اور دینداری نہیں، نفسانیت وشیطنت کے عروج کے اس دور میں مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے بعض نادان دوستوں میں سلف صالح کی راہ سے انحراف پیدا ہو چلا ہے، اور یہ مزاج اب بڑھتا پھیلتا اور اپنے پر پرزے نکالتا جارہا ہے کہ ''ہمارا کام سب سے اونچا ہے'' اکابر تبلیغ کا یہ امتیاز رہا ہے کہ انہوں نے دینی خدمت کے ان چار شعبوں کو پوری اہمیت، عظمت اور قدردانی کے ساتھ اپنایا، انہوں نے تنقید اور تنقیص کے بجائے جامعیت اور قدردانی کی راہ اختیار کی، کون نہیں جانتا مولانا محمد الیاس صاحبؒ تبلیغی جماعت کے بانی تھے، اور مدرسہ مظاہر العلوم پر جان چھڑکنے والے بھی، اور راہ تصوف وسلوک میں حضرت مولانا خلیل احمد سہانپوریؒ کے مرید اور ان کے بااختصاص خلیفہ، مولانا یوسف صاحبؒ اگر حضرت جی ثانی تھے تو مدرسہ کاشف العلوم میں ابوداؤد شریف کے مدرس بھی اور اپنے والد ماجد کے مرید وخلیفہ، اور ایسے علمی ذوق کے مالک کہ اپنی بے پناہ دعوتی مشغولیتوں کے باوجود ''حیات الصحابہ'' اور ''امانی الاحبار شرح معانی الآثار'' جیسی ضخیم کتابیں تصنیف فرمائیں، جن میں سے اول الذکر کتاب اپنے استناد وترتیب اور ضخامت کے لحاظ سے بے نظیر ہے، تبلیغی جماعت کے تیسرے حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ اگر ایک طرف دینی دعوت کے عظیم ستون تھے تو دوسری طرف مدرسہ کاشف العلوم کے شیخ الحدیث بھی، اور اپنے وقت کے عظیم شیخ طریقت اور مصلح ومربی اور کئی کتابوں کے مصنف ومرتب بھی! ان بزرگوں کے علاوہ تبلیغی جماعت کے لئے عظیم خدمات انجام دینے والے اور اس کے عہد اولیں میں اس کے پشتیبان بن جانے والے تین نامور علمائے کرام حضرت شیخ

الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ نے جس توازن، حسن ترتیب، اور سلیقہ کے ساتھ دینی دعوتی خدمات کی انجام دہی کی اس نے سلف صالح کے چھوڑے ہوئے نقوش کو مزید تابندگی بخشی، ان حضرات اکابر کی بیش قیمت تصنیفات سے عرب وعجم نے استفادہ کیا ان کے ہزاروں شاگردوں نے علم دین کی نشر و اشاعت کی گراں قدر خدمات انجام دیں، رشد وہدایت کے وہ میخانے ان کے دم قدم سے قائم اور آباد ہوئے جہاں سے ''مئے محبت'' اور جام معرفت'' کی تقسیم کا سلسلہ ان کی زندگی میں بھی جاری تھا اور ان کی موت کے بعد بھی جاری ہے، خدمت دین کے مختلف النوع شعبے ان کی زندگی میں ایسے رچے بسے تھے جیسے شاخ گل میں باد سحر گاہی کا نم، مولانا زبیر الحسن ان ہی اکابر کی یادگار، اور ان کے چھوڑے ہوے نقوش قدم کے پاس دار تھے، انہیں اپنے اکابر کی راہ سے سر مو انحراف گوارا نہ تھا اور اس کے لئے وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے ہمہ وقت تیار تھے۔

حضرت مولانا زبیر الحسن صاحبؒ فنافی التبلیغ تھے، انہوں نے زندگی کی آخری دو دہائیوں میں اس عالمی دعوتی جماعت کی نگرانی وسرپرستی فرمائی جس کی خدمت کے نقوش دنیا کے ۵۵/ ملکوں میں ثبت ہیں اصلاح کی وہ عالمی تحریک جس نے لاکھوں انسانوں کو نمازی بنا دیا، اور افراط وتفریط سے بچ کر دین کامل کی دعوت کو چہار دانگ عالم میں پھیلا دیا، مولانا مرحوم اسی جماعت کے ترجمان اور اسی تحریک کے قائد ونگراں تھے، وہ نہ تو شعلہ بیاں مقرر تھے نہ کہنہ مشق نثار وادیب، وہ اول وآخر دین کے داعی تھے اور اسلام کے بے لوث سپاہی، جس کی شان یہ ہے

مؤمن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

دعوت دین کی راہ میں ان پر مختلف حالات بھی آئے، نشیب وفراز اسی طرح زندگی کے مقدرات میں سے ہے جیسے سمندر کے لئے مد وجزر، حالات کس پر نہیں آتے، ان پر بھی آئے مگر حالات انہیں شکست حوصلہ نہ کر سکے، وہ جمے رہے، ڈٹے رہے، خدا کی مرضی پر راضی رہے اس احساس کے ساتھ کہ

نہ فراق اچھا نہ وصال اچھا
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا

مولانا مرحوم سادہ مزاج، سادہ طبیعت، سادہ ذہن تھے، ان کی تقریر ودعا بھی اپنے اندر سادگی کی شان سموئے ہوتی، نہ بھاری بھرکم الفاظ نہ پرشکوہ لہجہ، نہ خطیبانہ رنگ وآہنگ، بس ایک ہی لب ولہجہ میں مسلسل بولتے چلے جاتے جیسے کوئی طالب علم اپنا سبق دہرا رہا ہو، دعا میں عاجزی کا پیکر بن جاتے، لفظ لفظ تصنع سے پاک، تکلف

سے بری، جلوت میں بھی خلوت کا انداز، گویا ''خلوت در انجمن'' کے مقام پر ہیں اور مجمع میں نہیں تنہائی میں اپنے رب کریم سے ناز و نیاز کی باتیں کر رہے ہیں، آہ! کیسا مخلص و باوفا، پاکیزہ نفس اور خوش خصال انسان ہمارے درمیان سے اٹھ گیا، حیات تمام ہوئی، بساط زندگی لپیٹ دی گئی، اور وہ وہاں پہونچ گئے جہاں سے لوٹ کر نہ کوئی آیا ہے نہ آسکتا ہے، ان کے جانے کا صدمہ سخت ہے اور ان کا سانحہ رحلت اندوہ ناک، لیکن اس کا اطمنان بھی دل کو ہے کہ جہاں گئے وہاں ان کے لئے رحمت ہی رحمت ہے خوشنودی کا پروانہ ہے، سہولت کا سامان ہے عافیت کا انتظام ہے اور زندگی کی کٹھنائیوں اور پریشانیوں کا بہترین بدلہ! فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ اللہ پاک حضرت مرحوم کے درجے بلند فرمائے اور انکے حسنات کو شرف قبول عطا کر کے موتیوں سے تول دے۔

آسماں تری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆

رحمۃ اللہ بھائی، الی رحمۃ اللہ

۸/اپریل کی شام لکھنؤ سے بلال میاں سلمہ نے اطلاع دی کہ آج دوپہر ڈیڑھ بجے رحمۃ اللہ بھائی کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون صوفی رحمۃ اللہ صاحب جنہیں ہم سب رحمۃ اللہ بھائی کہا کرتے تھے ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے رسمی بیعت و ارادت ہی نہیں سچی محبت و اتباع کا تعلق رکھتے تھے، ہر لحاظ سے مسکین تھے۔ مسکینی کی حالت ہی میں زندگی گذار کر مسکنت کے ساتھ رخصت ہو گئے —— اپنے گاؤں میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا، پھر پوری زندگی اس کی خدمت میں گذار دی، ہمارے حضرت والد ماجد کو اس مدرسے کی بہت فکر رہتی تھی، ہمارے بھائی صاحب مدظلہ (مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب) بھی اس مدرسہ کے لئے بہت فکرمند رہتے ہیں —— دعا ہے کہ مدرسہ قائم و دائم رہے کہ بڑی کس مپرسی کی حالت میں چل رہا ہے —— رحمۃ اللہ بھائی کے دنیا سے جانے کے بعد ہم لوگ ایک دعا کرنے والے سے محروم ہو گئے —— امید ہے کہ ان کے نام اور کام کی لاج رکھ کر اللہ ان کے ساتھ رحمت و مغفرت کا ہی معاملہ فرمائے گا۔ قارئین سے دعاؤں کی گذارش ہے۔ —— سجاد نعمانی

☆☆☆